کے اصرار پر رندھیر نے مجبوراً کنول کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی۔ انگوٹھی کو غور سے دیکھنے پر اسے چند حروف نظر آئے اور انہیں دیئے کی روشنی کے قریب جا کر پڑھنے کے بعد حیرانی اور مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شانتا، مادھو اور کنول کی طرف دیکھنے لگا۔ انگوٹھی پر سکھدیو کا نام کندہ تھا۔ وہ تلوار پر اپنے باپ کا نام پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ وہ اس انکشاف پر اپنی مسرت کو چھپا نہ سکا۔ اس نے پوچھا۔

"مادھو! تمہارے باپ کا نام سکھدیو تھا؟"

"ہاں" مادھو نے جواب دیا۔

رندھیر جوشِ مسرت میں مادھو کے ساتھ لپٹ گیا۔

مادھو کو چھوڑ کر رندھیر شانتا کی طرف متوجہ ہوا۔ "شانتا! میں تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں لیکن انکار نہ کرنا۔" یہ کہہ کر اس نے شانتا کا ہاتھ پکڑ کر اسے انگوٹھی پہنا دی اور کہا "شانتا! تمہارے باپ کی نشانی تمہارے پاس رہنی چاہیئے۔"

پھر وہ کنول کی طرف متوجہ ہوا۔ "ماتا! میں رام داس کا بیٹا ہوں۔ شاید آپ اسے جانتی ہوں۔"

کنول کو جیسے اپنا بچھڑا ہوا بیٹا مل گیا ہو۔ اس نے پیار سے رندھیر کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بیٹا تم وہی ہو دوسروں کے دکھ درد کے ساتھی۔ رام داس نے ہمیں قید سے نکالا تھا اور تم نے میری بیٹی کی جان بچائی۔ جیتے رہو بیٹا!"

سب سے آخر میں وہ بدھو کی طرف متوجہ ہوا۔ "اچھا اب میں جاتا ہوں صبح ضرور آؤں گا۔"

بدھو نے کہا "چلیئے! آپ کا گھوڑا چھپر کے نیچے بندھا ہوا ہے۔"

رندھیر اور بدھو باہر نکلے تو شانتا نے پھر آنکھیں بند کر لیں لیکن اس دفعہ

آنکھیں بند کرنے کا باعث سانپ کا زہر نہ تھا بلکہ اس کے دماغ پر ایک سرور کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ وہ کنول اور سپیرے سے آنکھ بچا کر انگوٹھی والے ہاتھ کو کئی بار سینے، ہونٹوں اور آنکھوں تک لے گئی۔

بارش تھم چکی تھی اور آسمان پر کہیں کہیں بادل کی پھٹی ہوئی چادر میں سے ستارے جھانک رہے تھے۔ جھونپڑی سے باہر چند قدم اٹھانے کے بعد بدھو اچانک ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ رندھیر نے پوچھا "کیا ہے؟"

بدھو نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا "وہ دیکھو، شاید کوئی آدمی جا رہا ہے؟"

رندھیر کو ایک سایہ درختوں کی آڑ میں غائب ہوتا دکھائی دیا۔ اس نے آواز دی: "کون ہے ٹھہرو!"

رندھیر کی آواز پر کسی کے بھاگنے کی آہٹ سنائی دی۔

بدھو نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آپ کا گھوڑا چرانے کے ارادے سے آیا تھا۔"

رندھیر آج دنیا کے تمام خزانے لٹانے کے لیے تیار تھا اس نے جواب دیا "تو مجھے افسوس ہے کہ وہ خالی ہاتھ جا رہا ہے۔"

بدھو نے کہا "تم بالکل سکھدیو کی طرح ہو۔"

---

(۵)

بدھو سے رخصت ہو کر رندھیر سیدھا گھر جانے کی بجائے جھیل پر پہنچا اور گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھ کر کیچڑ سے لت پت کپڑوں سمیت پانی میں

کُود پڑا۔

جب وہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہُوا تو صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ تھکا ہُوا گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ رندھیر کے دل و دماغ پر ایک سُرور کی کیفیت طاری تھی۔ وہ گزشتہ دن اور رات کے تمام واقعات کے متعلق بار بار سوچنے کے بعد یہ محسوس کر رہا تھا، کہ شودروں کے متعلق جو رائے اس نے سماج کے اُونچے ایوانوں میں رہ کر قائم کی تھی کس قدر غلط تھی۔ وہ اپنے دل سے بار بار پوچھ رہا تھا کہ دھرمو اور نتھو جیسے انسانوں کو اچھوت کہنا پاپ نہیں؟ ہمارے شہر میں کتنے لوگ ہیں جو دوسروں کو مصیبت میں دیکھ کر ایسی مروّت اور ایثار سے پیش آتے ہیں۔ رندھیر کے دماغ میں شودر کا مفہوم انسانوں کا وہ گروہ تھا جن کے تنگ و تاریک جھونپڑے محبت کے چراغوں سے روشن تھے۔

رندھیر تصور میں ایک ایسی دنیا تعمیر کر رہا تھا جس میں تمام انسان ایک ہی درجہ رکھتے تھے۔ جس میں شودر اور برہمن ایک ہی صف میں کھڑے تھے جس کا قانون ہر انسان کو پھلنے اور پھولنے کی یکساں آزادی دیتا تھا جس کا مذہب تمام انسانوں کو نجات کی راہ دکھاتا تھا جس کے مندروں کے دروازے ہر پجاری کے لیے کھلے تھے۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور انتہائی خلوص کے ساتھ یہ دعا کی:

"بھگوان! تیری دنیا کو کسی ایسے انسان کی ضرورت ہے جو تیرے سادہ دل اور کمزور بندوں کو خود غرض انسانوں کے اقتدار سے نجات دلا سکے۔ یہ دنیا جس کی زینت کے لیے تُو نے چاند، سورج اور ستارے بنائے ہیں جس میں دریا بہتے ہوائیں چلتی، درخت لہلہاتے اور پھول کھلتے ہیں، کس قدر حسین ہے، لیکن کیا تُو یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس زمین پر جس کی وسعت کا اندازہ کسی کو نہیں۔ طاقت ور انسانوں کی ایک جماعت کمزور انسانوں کے لیے ایک دائمی عذاب بن کر ان کے لیے فلاح کے

تمام راستے بند کر دے۔

بھگوان تیرے باغ میں اب ایسی خاردار جھاڑیاں اُگ رہی ہیں جن کے نیچے ہزاروں نرم اور نازک پودے ہَوا اور روشنی کے لیے ترس رہے ہیں۔ اب تیرے باغ کو ایک مالی کی ضرورت ہے جو ان جھاڑیوں کو کانٹ چھانٹ کر ان نرم و نازک پودوں کے برابر کر دے۔ ورنہ ان پودوں کی آبیاری کر کے ان جھاڑیوں کے برابر کر دے۔ بھگوان میں آج شودروں کے جھونپڑوں میں گیا ہوں اُن کو چھو چکا ہوں اور میں خوش ہوں کہ آج میرے دماغ میں تیرا صحیح تصوّر آیا ہے۔ میں اپنے دل میں ایک نئی روشنی پاتا ہوں۔ لیکن میرے پاس کوئی ایسی مشعل نہیں جس سے دوسروں کو تیرا صحیح راستہ دکھا سکوں۔ بھگوان! اس ملک میں کوئی مشعل والا بھیج دے۔"

دعا کے بعد رندھیر نے محسوس کیا کہ آنے والی صبح اس کے لیے ایک نئی زندگی کا پیام ہے۔ صبح صادق کی بڑھتی ہوئی روشنی میں سمٹنے والی تاریکی کی طرح مذہب اور انسانیت کے متعلق اس کے پرانے تصورات نئے خیالات کے لیے جگہ خالی کر رہے تھے۔ شہر کے قریب پہنچ کر اس نے محسوس کیا کہ اس کے دل میں سماج کے اُونچے ایوانوں کا وہ پہلا سا احترام تھا نہ خوف۔

شہر میں داخل ہوتے ہی رندھیر کو سواروں کی ایک ٹولی ملی اور اسے معلوم ہُوا کہ سردار اور اس کا کوئی سپاہی رات بھر نہیں سویا۔ لوگ اسے دیکھتے ہی رندھیر آگیا! رندھیر آگیا!! کہتے ہوئے رام داس کے گھر کی طرف بھاگے۔ رندھیر کو پہلی دفعہ اپنے باپ کی پریشانی کا خیال آیا اور اس نے گھوڑا تیز کر دیا۔

رام داس اور ارجن مکان سے باہر ایک چبوترے پر بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ رندھیر نے جلدی سے اتر کر گھوڑا ایک سپاہی کے حوالے کیا اور بھاگ کر پہلے رام داس اور پھر ارجن کو پرنام کیا۔

"بیٹا! تم نے ہمیں بہت پریشان کیا۔ کہاں تھے تم!" رام داس نے یہ کہتے ہوئے رندھیر کو گلے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے۔

"پتا جی! میں۔۔۔۔۔۔ میں شہر سے دور چلا گیا تھا۔ بارش میں ایک جگہ ٹھہر گیا واپسی پر اندھیرے میں راستہ بھول گیا۔"

رام داس نے کہا "جاؤ! بیٹا لباس تبدیل کرو تمہیں بھوک بھی لگ رہی ہوگی۔"

دوپہر کے وقت رندھیر نے گہری نیند سے بیدار ہو کر آنکھیں کھولیں۔ موہنی اس کے سرہانے کھڑی مسکرا رہی تھی وہ انگڑائی لے کر اٹھا۔

موہنی بولی "میں تیسری دفعہ آئی ہوں اور اب تمہیں بڑی مشکل سے جگایا ہے کہاں تھے ساری رات! میرے پتا جی تمہارے پتا جی کے ساتھ تمہیں ساری رات تلاش کرتے رہے اور ماتا جی بھی ساری رات روتی رہیں۔"

رندھیر نے کہا "موہنی! تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں جھیل پر گیا تھا۔"

"ساری رات۔۔۔؟"

"نہیں۔ شانتا کو سانپ نے کاٹ لیا تھا۔"

"سانپ نے؟"

"ہاں!"

"اُف بے چاری اب کیسی ہے؟"

"اب شاید بچ جائے۔ میں یہاں سے آٹھ نو کوس کے فاصلے پر دریا پار سے ایک سپیرے کو لینے چلا گیا تھا۔"

"ایسے طوفان میں دریا کے پار کیسے پہنچے؟"

رندھیر نے اس سوال کے جواب میں اپنے سفر کے تمام واقعات سنانے کے بعد موہنی سے پوچھا "موہنی! شانتا کو دیکھنے چلو گی؟"

"کب؟"

"ابھی، تم چلو میں ابھی آتا ہوں۔ اوّل تو اس وقت راستے میں کوئی ملے گا نہیں اور اگر کوئی ملا تو کہہ دینا کہ مندر کی طرف جا رہی ہوں۔"

---

(۶)

شنکر گزشتہ آٹھ پہر سے یہ محسوس کر رہا تھا کہ شہر کا پروہت، سردار اور اس کے سپاہی سب کے سب بے خبری کی نیند سو رہے ہیں اور بھگوان نے سماج کی رکھشا کے تمام فرائض اسی کو سونپ دیے ہیں۔ گزشتہ آٹھ پہر سے وہ بھوک، پیاس اور تھکاوٹ کا احساس کیے بغیر مندر، شہر اور جھیل کے کنارے اچھوتوں کی ایک جھونپڑی کا درمیانی فاصلہ کئی بار طے کر چکا تھا۔ دوپہر کے وقت جب رندھیر اس سے گھوڑا چھین کر سوار ہوا تو اس کا رخ شہر کی طرف نہ تھا۔ چنانچہ وہ الٹے پاؤں جھیل کے کنارے جھونپڑی کی طرف بھاگا۔ رندھیر وہاں نہ تھا۔ اسے یہ علم نہ تھا کہ شانتا کو سانپ ڈس چکا ہے۔ اس نے اب تک جو کچھ دیکھا تھا۔ کافی دور سے دیکھا تھا کچھ دیر وہ جھونپڑی کے پاس درختوں کے نیچے کھڑا سوچتا رہا۔ جب بارش شروع ہو گئی تو وہ مندر کی طرف بھاگا۔ مندر میں زیادہ دیر اس کی بے قرار طبیعت کو چین نہ آیا۔ رندھیر کہاں گیا؟ رندھیر کہاں گیا؟ یہ سوال اسے سخت پریشان کر رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر مندر میں سستانے کے بعد بھاگتا ہوا شہر پہنچا۔ رندھیر وہاں بھی نہ تھا۔ وہ رام داس کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی بارعب شکل دیکھ کر زبان ہلانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسے امید نہ تھی کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر رندھیر کے متعلق ایسی باتوں پر یقین کر لے گا۔ وہ دیر تک شہر میں رندھیر کا انتظار کرتا رہا۔

ایک پہر رات گئے جب رندھیر کی تلاش شروع ہوئی تو وہ کنول کی جھونپڑی کی طرف بھاگا۔ اس کو پھر مایوسی ہوئی لیکن تھوڑی دیر جھونپڑی کے دروازے کے ساتھ لگ کر کنول، بدھوا اور مادھو کی باتیں سننے کے بعد معلوم ہوا کر یہ لوگ رندھیر کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ رام داس کو اپنے ساتھ لانے کے لیے پھر شہر کی طرف بھاگا لیکن وہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر رندھیر کی تلاش میں جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے اُسے تھکاوٹ محسوس ہوئی لیکن فرض شناسی نے اسے جلد ہی تازہ دم کر دیا۔ اس نے زیادہ دیر رام داس کا انتظار نہ کیا اور پھر جھونپڑی کی طرف بھاگا۔ اس نے جھونپڑی کے اندر رندھیر کی آواز دور سے پہچان لی۔ رندھیر کہہ رہا تھا اچھا اب میں جاتا ہوں۔ شنکر کے سینے میں جیسے کسی نے نشتر چبھو دیا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جب اس نے یہ کہا کہ صبح ضرور آؤں گا۔ شنکر کو گویا ڈوبتے وقت تنکوں کا سہارا مل گیا وہ مطمئن ہو کر مندر پہنچا اور چارپائی پر لیٹتے ہی سو گیا۔

دوپہر کے وقت جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ گوپال پانی کا گھڑا اس کے اوپر انڈیل رہا ہے اور پروہت لال لال آنکھیں نکال کر یہ کہہ رہا ہے کہ ”اس بے وقوف کو اگر بھوک اور پیاس نہ لگے تو آٹھوں پہر سویا رہے۔ نہ پوجا نہ پاٹ گوپال! یہ کبھی نہاتا بھی ہے یا نہیں؟“

گوپال نے جواب دیا ”مہاراج! میں ہی کبھی کبھی اس طرح سوئے ہوئے پر پانی ڈال دیا کرتا ہوں۔“

”رات بھر کیا کرتا ہے یہ؟“

”کچھ نہیں مہاراج! یہ شام کو کھانا کھاتے ہی سو گیا تھا۔“

پروہت شنکر کو بُرا بھلا کہتا ہوا شہر کی طرف چل دیا اور شنکر، گوپال کو چند گالیاں دینے کے بعد جھیل کی طرف بھاگا۔ وہ بار بار اپنے دل میں یہ کہہ رہا تھا ”وہ

اب وہاں سے ہو کر واپس بھی چلا گیا ہو گا۔ میں کیوں سویا، مجھے نیند کیوں آئی؟“ جھونپڑی کے باہر کچھ دیر کھڑا رہنے کے بعد اس کے کانوں نے گواہی دی کہ رندھیر یہاں نہیں وہ انتہائی مایوسی کی حالت میں وہاں سے لوٹا لیکن زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اس کا دل خوشی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ رندھیر اور موہنی آ رہے تھے وہ ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ رندھیر اور موہنی باتیں کرتے ہوئے گزر گئے۔ اس کی نگاہیں جھونپڑی تک ان کا تعاقب کرتی رہیں۔ رندھیر کے ساتھ موہنی کو بھی جھونپڑی میں داخل ہوتے دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ وہ دبے پاؤں چلتا ہوا جھونپڑی کے قریب پہنچا۔ اندر سے موہنی کی آواز آئی ”شانتا بہن! اب کیسی ہو؟“ شنکر یہ سنتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر شہر کی طرف بھاگا۔ کاش دیوتا اسے تھوڑی دیر کے لیے اُڑنے کی طاقت عطا کر دیتے۔ شہر کے قریب اسے پروہت ملا اور چند باتیں سننے کے بعد وہ بھی اس کے ساتھ بھاگنے لگا۔

مادھو کی دیوی

کنول نے ایک مدت کے بعد موہنی کو دیکھا تھا اس لیے پہچان نہ سکی۔ بدھو نے اسے پہلی بار دیکھا تھا اس لیے مرعوب ہو کر رہ گیا۔ مادھو، موہنی کو دیکھ کر اٹھا اور کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ موہنی کا اس کی جھونپڑی میں آنا اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھا جب موہنی، شانتا سے باتیں کرنے لگی تو مادھو کی بدحواسی مسرت میں تبدیل ہونے لگی۔ اس نے چارپائی گھسیٹ کر آگے کرتے ہوئے کہا: "موہنی دیوی! بیٹھ جاؤ" موہنی مادھو کی درخواست سے زیادہ رندھیر کا اشارہ پا کر شانتا کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔

کنول نے رندھیر سے کہا "بیٹا! تم بھی بیٹھ جاؤ"۔ رندھیر موہنی سے ذرا ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔

کنول نے پوچھا: "بیٹا! یہ تمہاری بہن ہے؟"

اس نے جواب دیا "جی نہیں! یہ موہنی دیوی ہے۔ اس کا باپ ارجن ہے ایک دفعہ جب شنکر نے مادھو کو مارا تھا یہ میرے ساتھ تھی"

"ہاں اب مجھے یاد آگیا۔ یہ اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ اس نے مادھو کے سر پر اپنا دوپٹہ باندھ دیا تھا بہت اچھی لڑکی ہے۔ کیسی ہو بیٹا؟"

موہنی نے جواب دیا "اچھی ہوں۔ شانتا اب تو ٹھیک معلوم ہوتی ہے"

سپیرا جو اب تک خاموش بیٹھا تھا بول اٹھا "ٹھیک کیوں نہ ہوتی میں نے

یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے"

رندھیر نے کہا "آپ نے بہت دیا کی"

کنول بولی "اب یہ جانا چاہتے ہیں۔ میں نے بہت منت کی ہے کہ ایک دو دن ٹھہر جائیے!"

رندھیر نے سپیرے سے کہا "آپ ایک دو دن ٹھہر جائیں تو کیا ہرج ہے؟"

سپیرے نے جواب دیا "اب میرا یہاں کوئی کام نہیں۔ ادھر کوئی مجھے لینے آیا تو اسے بہت پریشانی ہوگی۔ آج بارش نہیں، ممکن ہے کہ کل بارش آجائے۔ پھر مجھے بہت تکلیف ہوگی"

رندھیر نے کہا "میں کل تمہیں گھوڑے پر چھوڑ آؤں گا"

اس نے جواب دیا "نہ سرکار! میرا جسم لوہے کا نہیں۔ بدھو نے مجھے لدھے پر چھوڑ آنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں اس کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا جاؤں گا"

رندھیر نے پوچھا "تو آپ آج ہی جانا چاہتے ہیں؟"

سپیرے نے جواب دیا "میرا آج ہی جانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہاں سے لڑکی کے لیے ایک دوائی بھیجنی ہے۔ وہ دوائی اب میرے پاس نہیں ہے"

یہ اس کا ایک بہانہ تھا۔ دراصل وہ گاؤں میں پہنچ کر لوگوں کو سونے کی انگوٹھی دکھانے کے لیے بے قرار تھا۔

رندھیر نے کہا "اگر وہ دوائی ضروری ہے تو میں آپ کے ساتھ گھوڑے پر جا کر جلدی سے لے آؤں؟"

سپیرے نے جواب دیا "نہیں! آپ کی ضرورت نہیں۔ کل تک بدھو آ جائے گا۔ اس وقت تک جو دوائی میں دے چلا ہوں، کافی ہے"

بدھو غور سے موہنی کو بار بار دیکھ کر یہ محسوس کر رہا تھا کہ مادھو نے ایک بہت

بڑا راز اُن سے ابھی تک چھُپا رکھا تھا۔ مادھو کی تراشی ہوئی مُورتیاں اس لڑکی سے مشابہ تھیں اور مادھو نے گزشتہ شام کنول سے یہ خبر سنتے ہی کہ شہر کا ایک خوش وضع نوجوان سپیرے کو بلانے کے لیے گیا ہے۔ انہیں جھونپڑی کے ایک کونے میں ایک چادر کے نیچے چھُپا دیا تھا۔

شانتا کو سپیرے نے چلنے پھرنے سے منع کر دیا تھا اس لیے وہ کپڑوں کی ایک گٹھڑی سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ رندھیر کی نگاہیں جھونپڑی کے طول عرض میں بار بار چکر لگانے کے بعد شانتا کے چہرے پر رک جاتیں۔ لیکن موہنی کی آنکھوں کا کوئی معنی خیز اشارہ اسے پریشان کر دیتا اور وہ مادھو، بدھو یا کنول کی طرف دیکھ کر کوئی بات چھیڑ دیتا۔ مادھو اپنے گرد و پیش سے بے خبر موہنی کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا اور وہ اپنے گالوں پر ایک خوش گوار حرارت محسوس کر رہی تھی۔

بدھو، مادھو کی اس محویت کو دیکھ چکا تھا جو اس پتھر کی خوبصورت مُورتیاں دیکھ کر طاری ہو جایا کرتی تھی اور اس کے دل میں مادھو کی دماغی حالت کے متعلق کئی شبہات پیدا ہو چکے تھے لیکن آج موہنی کی طرف دیکھ کر اسے علم ہوا کہ مادھو کی تراشی ہوئی بے جان مورتیاں اس پیکرِ حُسن و جمال کی غیر فانی تصویریں تھیں وہ دُھر راگ جو اس نے صبح شام ان مُورتیوں کے سامنے گائے تھے دراصل اس لڑکی کے لیے تھے۔ اور وہ ترو تازہ پھُول جنہیں وہ ہر صبح لا کر ان مورتیوں پر نچھاور کرتا تھا ایک اونچی ذات کی دیوی کے قدموں میں ایک نیچ ذات کی ادنیٰ بھینٹ تھی۔ بدھو کے دل میں مادھو کے لیے رحم اور موہنی کے لیے شفقت کے جذبات کروٹیں لینے لگے۔ وہ تصور میں اپنی لاڈلی بہو کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ اونچی ذات کی ایک باوقار لڑکی کا اس جھونپڑی میں آنا ہی اس بات کا کافی ثبوت تھا کہ وہ مادھو کی محبت سے غافل نہیں۔

رندھیر اور شانتا کی محبت کے متعلق بھی اب اُسے کوئی شبہ نہ تھا۔ ان کی زبانیں اگرچہ گنگ تھیں لیکن نگاہوں میں کافی بے باکی آ چکی تھی۔ مادھو کی بے قرار نگاہیں بھی اس کے دل کی ترجمانی کر رہی تھیں لیکن موہنی کی حیا کے باعث ان کے درمیان اجنبیت کے پردے نہ اٹھ سکے۔ موہنی اور شانتا دونوں کے دل ایک ہی جیسے سیلاب سے آشنا تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ شانتا اپنے مستقبل سے بے پروا ہو کر اس سیلاب کو بہنے اور بہا لے جانے کی اجازت دے چکی تھی لیکن موہنی اپنے انجام سے خوفزدہ ہو کر اسے تھپکیاں دے کر اپنے دل میں سُلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس سیلاب کے سامنے آخری چٹان رندھیر ہو سکتا تھا۔ رندھیر کا سہارا لے کر وہ اپنے دل کو مادھو کی نگاہوں کے سامنے پتھر بنا سکتی تھی۔ لیکن اب یہ سہارا ٹوٹنے کے متعلق اسے کوئی شُبہ نہ رہا۔ پہلی دفعہ اس نے رندھیر اور شانتا کی نگاہوں کے اشاروں سے متاثر ہونے کے بعد اپنے دل کو یہ کہہ کر دھوکا دینے کی کوشش کی تھی کہ اچھوت لڑکی کے ساتھ رندھیر کی دلچسپی عارضی اور ہنگامی ہے۔ آج گھر پر دوپہر کے وقت جب اس نے اپنی تازہ سرگزشت سُنائی تو اس کے شبہات میں کچھ اضافہ ہو گیا۔ مادھو گزشتہ ملاقات میں اس کے دل پر ایک نہ مٹنے والا نقش چھوڑ چکا تھا اسے جب بھی اس کا خیال آتا وہ پریشان ہو جاتی۔ بھگوان سے اپنے دھرم پر اور رندھیر کی محبت میں ثابت قدم رہنے کی دعائیں کرتی۔ وہ اپنے دل میں عہد کر چکی تھی کہ وہ مادھو کو دوبارہ نہ دیکھے گی لیکن آج اسے رندھیر کے متعلق بڑھتے ہوئے شبہات نے یہ عہد توڑنے پر مجبور کر دیا اور وہ شانتا سے ہمدردی کے بہانے اس جھونپڑی میں چلی آئی۔

---

(۲)

رندھیر کو بے قراری کے ساتھ شانتا کی طرف دیکھتے ہوئے موہنی نے محسوس

کیا کہ وہ اس سے بہت دُور جا رہا ہے اور مادھو کی نگاہیں اس کے دل کے وُہ دروازے توڑ رہی ہیں جہاں وہ رندھیر کا پہرا بٹھانا چاہتی تھی تاہم اسے رندھیر سے اس قدر گلہ نہ تھا جس قدر مادھو سے خوف تھا اُس نے ایک دو مرتبہ آنکھ بچا کر مادھو کی طرف دیکھا اور محسوس کیا کہ اگر وہ زیادہ دیر یہاں ٹھہری تو محبت کے اس دیوتا کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو جائے گی۔ اس نے گھبرا کر کہا:

"رندھیر! چلو گھر چلیں"۔

رندھیر نے چونک کر موہنی اور اس کے بعد شانتا کی طرف دیکھا۔ شانتا کی نگاہیں اس کے پاؤں کے لیے زنجیر بن گئیں۔

اس کا تذبذب دیکھ کر موہنی پھر بولی" اچھا رندھیر! تم بیٹھو میں چلتی ہوں"۔

بدھو نے آگے بڑھ کر کہا" بیٹھو بیٹی! تم پہلے دن ہمارے گھر میں آئی ہو"۔

رندھیر نے بدھو کی تائید کی" ہاں ہاں موہنی! تھوڑی دیر بیٹھو، ابھی چلتے ہیں ہاں مجھے ایک بات یاد آ گئی۔ شانتا تم کہتی تھیں۔ مادھو نے اپنی دیوی کی مورتیاں بنائی ہیں۔ کہاں ہیں وہ؟"

شانتا نے قدرے خوف زدہ ہو کر بدھو اور مادھو کی طرف دیکھا۔ مادھو کو کچھ دیر اور موہنی کو بٹھانے کی تدبیر نظر آئی۔ لیکن وہ کچھ سوچنے کے بعد فکر مند ہو کر رندھیر کی طرف دیکھنے لگا۔

رندھیر نے کہا: "دکھاؤ! یہ بُرا نہیں مانیں گی۔ انہیں مورتیاں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ کیوں موہنی! دیکھو گی نا؟ شانتا ان مورتیوں کی بہت تعریف کرتی تھی"

موہنی نے نڈھال ہو کر رندھیر کی طرف دیکھا اور مادھو نے اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھتے ہوئے جھونپڑی کے کونے میں جا کر مورتیوں کے اُوپر سے چادر اٹھا دی۔ تین مورتیاں ایک قطار میں کھڑی تھیں۔ ان میں سے دو کی موہنی کے ساتھ

گہری مشابہت تھی اور درمیان والی مُورتی موہنی کی مکمل تصویر تھی۔ مورتیوں کے قدموں میں تازہ پھولوں کا ڈھیر لگا ہُوا تھا۔ موہنی پر تھوڑی دیر کے لیے ایک سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ سنگ تراشی میں مادھو کا یہ کمال رندھیر کی توقع سے بھی کہیں زیادہ تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے موہنی اور مورتیوں کی طرف دیکھتا ہُوا چارپائی سے اٹھا اور مُورتیوں کے سامنے آ کھڑا ہُوا۔

اس نے کہا" موہنی اگر ان مورتیوں کے ساتھ آئینہ رکھ کر اپنی شکل دیکھو تو مجھے یقین ہے کہ اپنے عکس اور اس مورتی کے درمیان کوئی فرق نہ پاؤ گی۔ مادھو! تم نے سچ مچ کمال کر دکھایا"۔

سپیرا ابھی کھسک کر مورتیوں کے قریب آ بیٹھا۔ اس نے کہا" ان مورتیوں میں صرف جان کی کمی ہے ورنہ شکل تو ہُوبہُو اس دیوی کی ہے۔"

موہنی کو جیسے کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں پھینک دیا ہو وہ تھوڑی دیر میں حواس درست کرنے کے بعد چارپائی سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دور بھاگنے کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے چھا گئے اور ایک درخت کے ساتھ سر لگا کر سسکیاں لینے لگی لیکن اس کا ضمیر کہہ رہا تھا۔ موہنی! اس بیچارے کا کوئی قصور نہیں تمہیں اس کی محبت کا علم تھا اس کی یہ جرأت تمہاری حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے۔ آخر تو بار بار یہاں کیوں آتی؟ تو ایک مدت سے اس کی طرف کھنچی جا رہی تھی۔ مادھو کے ساتھ تیری دلچسپی صرف ہمدردی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ تجھے اس کے ساتھ پریم تھا تو اس پریم پر فتح حاصل کرنے کے لیے رندھیر کی پناہ لینی چاہتی تھی لیکن تو جانتی ہے کہ رندھیر کے ساتھ شادی کر کے بھی تیرے دل میں یہ آگ سلگتی رہے گی جسے تو دھرم رکھشا سمجھتی ہے وہ دراصل سماج کے انتقام کا خوف ہے۔ موہنی تو بزدل ہے اور موت سے پہلے اپنا

بلیدان دے رہی ہے تو مادھو سے بھاگ کر سماج کی پناہ لے سکتی ہے لیکن تیری روح پر ہمیشہ اس کا قبضہ رہے گا۔ اس نے بے بسی کی حالت میں آسمان کی طرف دیکھا اور کہا:

"بھگوان! تُو نے اسے شودر کیوں بنایا اور اگر اسے شودر بنایا تھا تو مجھے اونچی ذات میں پیدا کیوں کیا؟"

---

(۳)

موہنی کے جھونپڑی سے نکلنے کے بعد تمام لوگ پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے وہ خیالی جنت جو مادھو نے برسوں میں آباد کی تھی آناً فاناً اُجڑ گئی۔ وہ انتہائی رنج و کرب کی حالت میں رندھیر کے پاؤں پر گر پڑا اور گڑگڑا کر کہنے لگا "وہ مجھ سے خفا ہو گئیں۔ وہ مجھ سے رُوٹھ گئیں۔ مجھے معلوم نہ تھا وہ بُرا مانیں گی۔ میں بے قصور ہوں۔ آپ جانتے ہیں مَیں بے قصور ہُوں۔"

رندھیر نے مادھو کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "مادھو! وُہ تم سے خفا نہیں۔ میری بات پر یقین کرو۔ میں پھر آؤں گا۔"

رندھیر بھاگتا ہُوا موہنی کے قریب پہنچا اس نے پوچھا "موہنی! کیا ہو گیا تمہیں؟"

موہنی نے آنسو پونچھ کر ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ رندھیر کی طرف دیکھا اور جواب دیا "کچھ نہیں رندھیر! سچ بتاؤ تم مجھ سے نفرت تو نہیں کرتے؟"

"نفرت! اور تم سے!! وہ کیوں؟"

"رندھیر تم جانتے ہو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں یہاں آنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ میں نے کبھی اس کے ساتھ بات بھی نہیں کی۔"

"موہنی! وہ تم سے پریم کرتا ہے وہی پریم جو انسان دیوتاؤں سے کرتے ہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا پریم دیوتاؤں سے بھی بہت کم انسان کرتے ہوں گے میں ذاتی طور پر پریم کے معاملے میں اونچ اور نیچ کا قائل نہیں رہا۔ موہنی! تم نے شانتا کو دیکھا اس نے کل میرے لیے اپنی جان تک قربان کر دینا ایک کھیل سمجھا سماج کا قانون مجھے اس سے نفرت سکھاتا ہے لیکن انسانیت مجھے اس کی محبت کا جواب دینے سے منع نہیں کر سکتی میں اس کا دل توڑنا ایک پاپ سمجھتا ہوں اور اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو کسی صورت میں بھی مادھو جیسے نوجوان سے نفرت نہ کر سکتا۔ اس نے تمہاری مورتیاں بنا کر کوئی پاپ نہیں کیا۔ موہنی سچ کہو تمہیں اس سے پریم نہیں؟"

موہنی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "رندھیر! مجھ سے یہ نہ پوچھو میں ایک عورت ہوں جو اپنی حد سے باہر پاؤں نہیں رکھ سکتی۔"

"موہنی! میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں اس سے پریم ہے یا نہیں۔"

"مجھے معلوم نہیں۔ پریم کیا ہوتا ہے؟ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ اسے بھُول جانا اب میرے بس کی بات نہیں۔ لیکن میں آگ کے ساتھ نہیں کھیلوں گی۔ میں بدنامی اور رسوائی کی زندگی پر موت کو ترجیح دوں گی۔ ماں باپ کا نام رسوا کرنے کی بجائے اپنا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹ ڈالوں گی۔"

موہنی پھر ہچکیاں لینے لگی۔ رندھیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دیتے ہُوئے کہا: "موہنی! میں جانتا ہُوں کہ تمہارے راستے میں نہایت خطرناک چٹانیں ہیں لیکن دنیا میں کوئی مشکل ایسی نہیں جس پر ہمت اور استقلال سے فتح حاصل نہ کی جا سکے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

موہنی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اچانک جھاڑیوں میں سے سرسراہٹ کی آواز آئی اور رام داس "شاباش بیٹا! شاباش!!" کہتا ہوا نمودار ہوا۔ رام داس کے پیچھے ارجن کو دیکھ کر موہنی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑی۔

رندھیر نے اسے آگے بڑھ کر اٹھانا چاہا لیکن ارجن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پیچھے دھکیل دیا اور کہا: "بدمعاش! ہٹو پیچھے! مرنے دو اسے!"

رام داس نے جھک کر موہنی کو اٹھایا اور ارجن کی طرف دیکھ کر کہا: "ارجن! موہنی نردوش ہے یہ سب قصور رندھیر کا ہے۔ اس کا اپنا منہ کالا ہو چکا ہے اور یہ موہنی کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہے۔"

موہنی نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں اور خوف زدہ ہو کر اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔ اتنے میں شنکر اور پروہت بھی جھاڑیوں سے باہر آ چکے تھے۔ رام داس نے موہنی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! ہم سب باتیں سن چکے ہیں تم بے قصور ہو۔ جاؤ اپنے گھر! شنکر تم اس کے ساتھ جاؤ لیکن اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا اور پروہت جی! اب ہماری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

پروہت نے جواب دیا "آپ فکر نہ کریں کسی کو اس بات کا علم نہ ہوگا۔"

موہنی شنکر کے ساتھ چل دی۔

رام داس رندھیر سے مخاطب ہوا "تو کل تم راستہ بھول گئے تھے تمہیں اس بات کی بھی شرم نہ آئی کہ تمہارا باپ شہر کا سردار ہے۔ تم موہنی سے کس بات کا انتقام لینا چاہتے تھے اور ارجن تم بھی چلو۔ میں تمہارے سامنے بہت نادم ہوں۔ اب مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا کروں گا۔ موہنی کی عمر ہی کیا ہے اسے یہ باتیں کیا معلوم! یہ ساری بدمعاشی رندھیر کی ہے۔ کل تک سارے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔ چلو اب گھر چلیں۔"

(۴)

راستے میں رندھیر نے کئی بار رام داس سے کچھ کہنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے تیور دیکھ کر اسے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شنکر ان کے پہنچنے سے پہلے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا اس نے کہا: "مہاراج! موہنی دیوی کو گھر چھوڑ آیا ہوں، کوئی اور حکم؟"

"کچھ نہیں، تم جاؤ۔" رام داس نے قدرے تلخ ہو کر جواب دیا۔

"پتا جی!" رندھیر نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا۔

رام داس نے اس پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالی اور غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا "میں تمہاری کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔"

"پتا جی! . . . . پتا جی! وہ نردوش ہیں۔ وہ شودر بھی نہیں۔ میں ان پر ظلم نہیں ہونے دوں گا۔"

رام داس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا وہ دانت پیستا ہوا آگے بڑھا اور رندھیر کے منہ پر پوری طاقت سے تھپڑ رسید کرنے کے بعد اس کے سر کے بال پکڑ کر دھکیلتا ہوا مکان کے اندر لے گیا۔ رندھیر کا ضبط اور سکون اسے متاثر نہ کر سکا۔ اور وہ پھر ایک بار اسے پیٹنے لگا۔ رندھیر ایک دیوار کی طرح کھڑا یہ سب کچھ برداشت کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ رام داس کے ہاتھ تھک گئے اور رندھیر کے ہونٹوں سے خون ٹپکنے لگا۔ رندھیر کے سفید گالوں پر انگلیوں کے نشان اور ہونٹوں پر خون کے قطرے دیکھ کر پدرانہ شفقت نے رام داس کے ہاتھ پکڑ لیے اور وہ کہنے لگا:

"ہاں تمہاری نظروں میں وہ شودر نہیں۔ تم انہیں برہمن سمجھتے ہو اور تم ان پر ظلم نہیں ہونے دو گے۔ بے شرم! بے حیا!! کمینہ کہیں کا۔"

رندھیر نے کہا "پتا جی! میں سچ کہتا ہوں، وہ . . . . !"

"چپ رہو!" رام داس کی گرجتی ہوئی آواز نے رندھیر کے ہونٹ سی دیے۔

رام داس نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا:

"چلو میرے ساتھ!" رندھیر بے بس سا ہو کر اس کے ساتھ چل دیا۔ رام داس نے مکان کی ایک کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچ کر اسے اندر دھکیل دیا اور باہر سے کنڈی لگاتے ہوئے کہا:

"تم اب یہاں رہو۔"

رندھیر نے دروازے کو اندر سے دھکے دیتے ہوئے کہا:

"پتا جی! پتا جی!! میری بات سنیئے۔ پتا جی! بھگوان کے لیے وہ شودر نہیں۔ وہ آپ کے دوست سکھدیو کی اولاد ہیں۔"

لیکن رام داس جا چکا تھا۔ پتھر کے فرش پر اس کے واپس لوٹتے ہوئے قدموں کی آہٹ بتدریج کم ہو رہی تھی۔

سماج کی فتح

بدھو سپیرے کے ساتھ جا چکا تھا۔ پڑوس کا ایک چرواہا اُن کی بھیڑیں چرانے کے لیے لے گیا۔ مادھو کو باقی دن گھر میں بیٹھ کر گزارنا مشکل نظر آیا وہ مورتیاں جنہیں دیکھتے ہی اس پر ایک محویت سی طاری ہو جایا کرتی تھی اب اسے پتھر کے بے حس ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔ موہنی کے خفا ہو کر بھاگنے کی صحیح وجہ اس کی سمجھ میں نہ آ سکی وہ صرف یہ سوچ سکتا تھا کہ موہنی صرف ان مورتیوں کو دیکھ کر خفا ہو گئی ہے اسے بار بار یہ خیال آتا تھا "کیا یہ ممکن ہے کہ اونچی ذات کے انسانوں کی مورتیاں بنانا پاپ خیال کرتے ہوں؟ نہیں! یہ ممکن نہیں!! آخر رندھیر بھی تو ایک اونچی ذات کا آدمی ہے اگر اس میں کوئی برائی ہوتی تو وہ یقیناً ان مورتیوں کو دیکھ کر خوش نہ ہوتا۔ بہر حال موہنی یہاں سے خوش ہو کر نہیں گئی۔ کاش! میں یہ مورتیاں نہ بناتا۔ لیکن اب کیا ہوگا؟ میں شاید دوبارہ اسے نہ دیکھ سکوں۔"

مستقبل کی بے کیف اور غمگین زندگی کے تصور سے وہ کانپ اٹھا۔ انتہائی مایوسی اور بے بسی میں اسے امید کی ایک ہلکی سی کرن نظر آئی اور اس نے محسوس کیا کہ وہ اب صرف بھگوان یا اس زبردست طاقت کا سہارا لے سکتا ہے جس نے اسے اور موہنی کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے بار بار غیر متوقع حالات پیدا کیے تھے۔ وہ طاقت جو موہنی کو دھکیلتی ہوئی اس کی جھونپڑی میں لے آئی تھی اور آج اُس سے موہنی خفا نہیں ہوئی بلکہ بھگوان خفا ہو گیا ہے۔ لیکن کیوں؟ شاید

اس لیے کہ اس نے موہنی کی مورتیاں بنانے کے شوق میں بھگوان کو بھلا دیا تھا اس نے بھگوان کی زبردست طاقت کا سہارا لینے کی بجائے اُن مورتیوں کو اپنی تمام توجہ کا مرکز بنا لیا تھا وہ بے قرار ہو کر اٹھا۔ کنول اور شانتا سے کچھ کہے بغیر جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ ہر قدم پر اس کے دل سے یہ پکار اٹھ رہی تھی "بھگوان میری خطا معاف کر! اے زمین و آسمان کی زبردست طاقت! میری خطا معاف کر!"

مادھو جھیل کے کنارے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور دیر تک سر جھکائے بھگوان کو مخاطب کرنے کے لیے موزوں الفاظ سوچتا رہا۔ اچانک اسے موہنی کا سکھایا ہوا بھجن یاد آیا اور وہ درد بھری آواز میں گنگنانے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ گرد و پیش سے بے خبر ہوتا گیا اور اس کی لے بلند ہوتی گئی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی روح نیلگوں آسمان کی وسعتوں کو عبور کرتی ہوئی ان بلندیوں تک پہنچ رہی ہے جہاں بھگوان رہتا ہے لیکن اچانک ایک پتھر اس کی کمر میں آ لگا۔ اس نے پریشان ہو کر آنکھیں کھولیں اور ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ آٹھ آدمی لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے مسلح اس کے ارد گرد کھڑے اسے خونخوار آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

شنکر نے کہا "اٹھو ہمارے ساتھ چلو۔"

مادھو کو اس نئی مصیبت میں بھی بھگوان کی مرضی نظر آئی وہ اٹھا اور بے خوف و ہراس ان کے آگے آگے چل دیا۔

چند قدم چلنے کے بعد پیچھے سے کسی کی آواز آئی "ٹھہرو! یہ بہت بھاری ہیں سب کو باری باری اٹھانی پڑیں گی۔"

مادھو نے پیچھے مڑ کر دیکھا تین آدمی مادھو کی تراشی ہوئی مورتیاں اٹھائے آہستہ آہستہ آ رہے تھے۔

مادھو کو کنول اور شانتا کا خیال آیا اور اس نے سراپا التجا بن کر شنکر کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا: "یہ مورتیاں میں نے بنائی ہیں۔ میری ماں اور بہن کا اس میں کوئی قصور نہیں۔"

شنکر نے غضب ناک ہو کر کہا "شودر کتے! تو نے یہ بنائی ہیں یا ہمارے مندروں سے چوری کی ہیں؟"

"نہیں! میں نے چوری نہیں کی۔"

شنکر پہلے ہی ایک اچھوت کو دیکھنے اور اس کے ساتھ باتیں کرنے میں اپنے دھرم کا کچھ حصہ بھرشٹ کر چکا تھا۔ اس نے لال پیلا ہو کر کہا:

"چپ رہو ورنہ زبان کاٹ ڈالوں گا لے چلو اسے!"

لاٹھیوں اور کلہاڑیوں کو شنکر کے حکم کی تعمیل کے لیے مستعد پا کر مادھو پھر اپنے پہرہ داروں کے ساتھ چل دیا۔

---

(۲)

شام سے کچھ دیر پہلے رام داس کے گھر کے نزدیک پیپل کے ایک درخت کے نیچے ایک چبوترے کے ارد گرد شہر کے مردوں اور عورتوں کا ہجوم تھا چبوترے پر تین مورتیاں رکھی ہوئی تھیں اور لوگ ان کے سامنے روپیہ، پیسہ، پھل پھول اور غلے کے ڈھیر لگا رہے تھے۔

شہر کے شمال میں کچھ دور آج مدتوں کے بعد کالی دیوی کے مندر میں کچھ رونق تھی۔ لوگ ان مورتیوں کے سامنے ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کے بعد اس مندر کا رُخ کر رہے تھے۔ رام داس کی سرداری کے زمانے میں کالی دیوی کے پجاری صرف مویشیوں کے دان پر اکتفا کرتے رہے لیکن آج اُن کے لیے ایک انتہائی مسرت

کا دن تھا۔

رام داس مندروں کے چور کے لیے کوئی اور سزا تجویز کرنا چاہتا تھا لیکن پروہت شہر کے برہمنوں اور ارجن کے سامنے اس کی پیش نہ گئی۔ مادھو کو شہر کے آٹھ قابلِ اعتماد آدمیوں نے اپنے کانوں سے مقدس زبان میں بھجن گاتے سنا تھا۔ تین مورتیاں جن کے متعلق شہر کے برہمنوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ وہ دور دراز کے مندروں سے چرائی گئی ہیں اس کے گھر سے دست یاب ہو چکی تھیں اتنے بڑے مجرم کی سزا کا فیصلہ کرنے کے لیے کسی سوچ بچار کی ضرورت نہ تھی۔

رام داس اگر سردار کی بجائے ایک راجہ بھی ہوتا تو بھی اسے پروہت کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا۔ وہ بدنامی سے بچنے کے لیے مادھو کو گرفتار کر کے جلاوطن کرنا چاہتا تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ وہ بھجن گاتا ہوا پکڑا جائے گا اور اس کے گھر سے مورتیاں برآمد ہوں گی۔ وہ اپنی رواداری کے باعث اونچی ذات کے لوگوں کی نظر میں بہت بدنام تھا لیکن یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ وہ رائے عامہ کے احترام سے بے پروا ہو کر کوئی فیصلہ کرتا۔ ہندوؤں کی مقدس مورتیاں چرانے اور چھپ چھپ کر بھجن سننے کے علاوہ مادھو نے براہِ راست اس کی اور اس کے دوست کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس لیے جب برہمنوں کی پنچایت نے یک زبان ہو کر کالی دیوی کے مندر میں مادھو کے بلیدان کا مطالبہ کیا تو اسے اس قدر تکلیف نہ ہوئی جتنی کہ عام حالات میں ہونی چاہیے تھی۔

مادھو کے گھر کے باقی افراد کے متعلق بالخصوص اس کی بہن کے متعلق اسے تشویش تھی اور وہ چاہتا تھا کہ وہ سماج کا طوفان اٹھنے سے پہلے اپنی جانیں بچا کر کہیں بھاگ جائیں۔ انتہائی غصے کی حالت میں بھی عورتوں پر ہاتھ اٹھانا وہ اپنی سماج کی بہادرانہ روایات کے منافی خیال کرتا تھا۔ شہر کے لوگ کالی دیوی کے مندر میں مدت

کے بعد بلیدان دیئے جانے کی خبر سن رہے تھے۔ ان کے لیے اس معاملہ میں ایک لمحہ بھر کی تاخیر بھی صبر آزما تھی۔ وہ رات ہونے سے پہلے ہی اس مقدس فریضے سے سبک دوش ہونا چاہتے تھے لیکن بدقسمتی سے کالی دیوی کے مندر کا پروہت دریا کے پار ایک گاؤں میں کسی رشتہ دار سے ملنے کے لیے گیا ہوا تھا۔

رام داس نے برہمنوں کے اصرار پر اسے لانے کے لیے شام کے وقت ہی ایک کشتی دریا کے پار بھجوا دی اور انہیں اطمینان دلایا کہ پروہت سورج نکلنے سے پہلے پہنچ جائے گا۔

رام داس کو اس بات کا افسوس تھا کہ وہ مادھو کے لیے کچھ نہیں کرسکا تاہم برہمنوں کے فیصلے کے بعد وہ چاہتا تھا کہ یہ بلیدان اب جس قدر جلد ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے ورنہ اتنی دیر رندھیر کو کوٹھڑی میں بند رکھنا پڑے گا۔

رندھیر کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ اپنی ہٹ کا پکا ہے اور مادھو کو بچانے کا جو ارادہ وہ ظاہر کر چکا ہے اسے ضرور پورا کرے گا۔

---

(۳)

مادھو کی گرفتاری سے قبل جو سپاہی جھونپڑی کی تلاشی لینے گئے تھے انہیں رام داس نے عورتوں پر کسی قسم کی زیادتی کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اس لیے کسی نے شانتا اور کنول سے بات تک نہ کی۔ تاہم شنکر کے لیے اچھوت کی جھونپڑی میں داخل ہونا اور شانتا جیسی لڑکی سے بات تک نہ کرنا صبر آزما تھا۔ وہ اپنے دل میں اچھا پھر سہی کہہ کر نکلا اور سپاہیوں کے ساتھ مادھو کی تلاش میں چل دیا۔

سپاہیوں کے جاتے ہی کنول کو مادھو کی فکر دامن گیر ہوئی اور وہ تھوڑی دیر

انتظار کرنے کے بعد جھونپڑی سے نکلی اس نے جھیل کے کنارے اور آس پاس کی بستیوں میں کئی چکر لگائے لیکن مادھو کا کہیں پتہ نہ تھا۔ چند شودر بھی اس کی بیقراری دیکھ کر اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور مادھو کو تلاش کرنے لگے۔ کنول تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد گھر آتی اور شانتا کو تسلی دے کر پھر مادھو کی تلاش میں نکل جاتی۔

جوں جوں رات قریب آرہی تھی۔ مادھو کے متعلق اس کا وہم یقین میں تبدیل ہونے لگا کہ اسے شہر کے سپاہی پکڑ کر لے گئے ہیں۔ رات کے وقت ایک چرواہے نے اسے بتایا کہ فلاں بستی کا ایک چرواہا مادھو سے بنسری سیکھا کرتا ہے۔ شاید اس کے پاس گیا ہوگا۔ یہ بستی ایک کوس پر تھی۔ لیکن مایوسی کے دریا میں ڈوبتی ہوئی ماماں نے پھر ایک بار تنکوں کا سہارا لیا اور کنول، شانتا کو تسلیاں دینے کے بعد چرواہے کو ساتھ لے کر اس بستی کی طرف چل پڑی۔

شانتا جھونپڑی سے باہر اپنی چارپائی پر لیٹی ستاروں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مادھو کے متعلق کنول کی طرح اس کا بھی یہی خیال تھا کہ اسے شہر کے سپاہی پکڑ کر لے گئے ہیں لیکن وہاں رندھیر جیسے رحم دل انسان کی موجودگی کے باعث اسے ایک گونہ اطمینان تھا۔

اچانک اس نے اپنے متعلق سوچا "اگر کوئی مجھے پکڑ کر لے جائے تو؟" اور یہ خیال آتے ہی پاس کے درخت اور جھاڑیاں اس کے لیے توہمات کے بھوت بن گئے وہ گھبرا کر اپنے بستر سے اٹھی اور جھونپڑی کے اندر جا کر اپنے پتا کی تلوار نکال لائی اور دوبارہ چارپائی پر لیٹ کر تصور میں اپنے کئی دشمنوں کو خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنی اور "ماتا۔ ماتا" کہتی ہوئی

اٹھ بیٹھی۔

"تمہاری ماتا گھر میں نہیں؟" ایک کرخت مردانہ آواز نے شانتا پر کپکپی طاری کر دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک آدمی ہاتھ میں مشعل لیے جھونپڑی کے پاس کھڑا تھا۔

"تم کون ہو؟" شانتا نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"شور نہ کرو" یہ کہہ کر اس نے مشعل جھونپڑی کی طرف بڑھائی۔ سرکنڈے کے تنکوں میں آگ کے شعلے بھڑکے۔ شانتا نے بڑھتی ہوئی روشنی میں شنکر کے چہرے کی چمکتی ہوئی سیاہی سے اسے پہچان لیا۔ وہ چارپائی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور بھاگنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ شنکر نے مشعل پھینکی اور آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"چلو میرے ساتھ"

شانتا نے جھٹک کر اپنا بازو چھڑایا اور چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔

"اچھوت اور یہ نخرے!"

شانتا حسرت بھری نگاہوں سے جھونپڑی کی بڑھتی ہوئی آگ کو دیکھنے لگی۔ شنکر نے آگے بڑھ کر پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شانتا نے اس دفعہ دوسرے ہاتھ سے پوری طاقت کے ساتھ اس کے منہ پر چپت رسید کیا! اور وہ شانتا کا ہاتھ چھوڑ کر اپنا گال سہلانے لگا۔

"بھگوان نے تمہارے ہاتھ تھپڑ مارنے کے لیے نہیں۔ چومے جانے کے لیے بنائے ہیں۔" یہ کہہ کر شنکر پھر آگے بڑھا لیکن شانتا نے بھاگ کر چارپائی پر سے تلوار اٹھالی اور اس کی نوک شنکر کے سینے کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی

"بے شرم! بے حیا! کمینے!! اگر ایک قدم آگے بڑھایا تو تیرے ٹکڑے اڑا دوں گی"

شنکر سراسیمہ ہو کر الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا اور شانتا غضبناک ہو کر

آگے بڑھنے لگی۔ الٹے پاؤں تیزی سے چلتے ہوئے شنکر کے پاؤں کو ایک پتھر کی ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا جھونپڑی کی جلتی ہوئی دیوار سے جا ٹکرایا۔ آگ کے شعلوں نے اس کا منہ اور اس کے سر کے بال جھلس دیئے۔ شانتا نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور بزدل کہہ کر تلوار نیچے کر لی۔ اس عرصے میں بستی کے لوگ شور مچاتے ہوئے جھونپڑی کی طرف آ رہے تھے۔ شنکر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور آن کی آن میں درختوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں بہت سے مرد اور عورتیں شانتا کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ جھونپڑی کی آگ بجھانا اب کسی کے بس میں نہ تھا۔ شانتا بار بار کہہ رہی تھی:

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ اس قدر بزدل ہے تو میں اسے جھونپڑی کو کبھی آگ نہ لگانے دیتی میں اس کے ہاتھ سے مشعل چھین لیتی۔"

---

(۴)

تھوڑی دیر بعد کنول پہنچ گئی اور شانتا ماتا ماتا کہہ کر روتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

کنول نے اسے تسلی دی اور شانتا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "ماتا! یہ میرا قصور ہے۔ میں ڈر گئی تھی ورنہ وہ بہت بزدل تھا۔ میں اگر ہمت کرتی تو اس کے ہاتھ سے مشعل چھین لیتی۔"

کنول کے سامنے جھونپڑی کی کوئی اہمیت نہ تھی اس کے ذہن میں صرف مادھو تھا۔ وہ شہر میں اس کا پتہ لگانے کے طریقے سوچ رہی تھی لیکن اسے ڈر تھا کہ کوئی اچھوت شہر جانے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔

اب وہ اپنا آخری حربہ استعمال کرنے پر مجبور تھی اس نے جھونپڑی کے قریب جمع ہونے والے لوگوں سے کہا:

"تم میں سے کسی نے اب تک مجھے نہیں پہچانا لیکن تم میں کئی ایسے ہیں جنہیں میں پہچانتی ہوں میں تمہارے سردار کی بیٹی ہوں۔ جن لوگوں نے آج سے بیس برس پہلے میرے پتا کو قتل کیا تھا وہ آج میرے بیٹے مادھو کو پکڑ کر لے گئے ہیں اور اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو انہوں نے میرے باپ کے ساتھ کیا تھا۔ تم میں سے کون ہے جو میرے بیٹے کی جان بچانے کے لیے میرا ساتھ دے گا؟"

لوگ ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے "سردار کی بیٹی — کون؟ — کنول! کنول!! کنول!!!"

کنول نے کہا "ہاں! میں کنول ہوں۔ تم سکھدیو کو بھی جانتے ہو وہ میرا پتی تھا۔"

چند بوڑھے اور ادھیڑ عمر لوگ کنول کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک سفید ریش آدمی نے آگے بڑھ کر آگ کی روشنی میں کنول کی طرف غور سے دیکھا اور پوچھا "کنول بیٹی! مجھے پہچانتی ہو؟"

"میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں جب میں چھوٹی تھی تم مجھے سارا دن کندھوں پر اٹھائے پھرا کرتے تھے۔ تمہیں یاد ہے ایک دن تم آم کے درخت کے نیچے سو رہے تھے۔ تمہارا منہ کھلا تھا اور میں نے تمہارے منہ میں آم لا کر نچوڑ دیا تھا۔ ایک دفعہ میں نے مٹی کھائی تھی اور تم نے مجھے بہت پیٹا تھا اور پھر پتا جی سے بھی پٹوایا تھا۔ کیوں چاچا نتھو پہچانا مجھے؟"

کنول اور سفید ریش بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ قوم کے باقی لوگوں کو بھی وہ آزادی اور بے فکری کے دن یاد آ گئے سب کی آنکھیں

پُرنم ہو گئیں۔

کنول نے کہا "چچا! مادھو کا پتہ لگاؤ۔"

تیجو نے کہا "کنول! تو ہمارے سردار کی بیٹی ہے۔ تیرے اشاروں پر جان قربان کرنا ہمارا دھرم ہے لیکن تو جانتی ہے کہ ہم اپنے دشمن کے مقابلے میں نہتے ہیں ہم میں کوئی اتفاق نہیں۔ تیرے پتا کی موت کے بعد ہم کچھ مدت چھپ چھپ کر لڑتے رہے، لیکن نیا سردار رام داس ایک ہوشیار آدمی تھا وہ ایک دن اکیلا ہمارے پاس پہاڑوں میں چلا آیا اور ہم سے انصاف کا وعدہ کر کے اس نے ہمارے بہت سے آدمیوں کو اپنا حامی بنا لیا۔ ہمیں شہر کے آس پاس آباد ہونے کی اجازت مل گئی لیکن بعض نے اس کے وعدوں پر یقین نہ کیا اور وہ یہاں سے دور پہاڑوں میں جا کر آباد ہو گئے۔

رام داس نے ہم سے کوئی بدعہدی نہیں کی لیکن شہر کے تمام لوگ ہمیں حقیر سمجھتے ہیں۔ ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہیں ہم ان کے مندروں کے قریب سے نہیں گزر سکتے۔ ہم جب تک ان لوگوں کے دشمن تھے۔ خود کو انسان سمجھتے تھے اور اب ان سے صلح کر کے شودر اور اچھوت بن گئے ہیں۔ ہماری قوم کے وہ لوگ جو اب تک پہاڑوں میں چھپ کر آزادی کا سانس لے رہے ہیں، زرخیز زمین اور اچھی چراگاہوں سے محروم ہیں لیکن مجھے ان کی زندگی پر رشک آتا ہے آزادی ایک ایسی نعمت ہے جس پر زندگی کا ہر آرام قربان کیا جا سکتا ہے۔ چند برس کی غلامی کے بعد ہمارے دماغ سے آزادی کا تصور مٹ چکا ہے۔ ہم ہمیشہ کے لیے ان لوگوں کو اپنے اوپر حکومت کا حق دے چکے ہیں۔ اب ہماری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ہم ان کے مندروں میں جا کر ان کے دیوتاؤں کی پوجا کر سکیں ان کے کنووں سے پانی پی سکیں اور ان کے شہروں کو دیکھ سکیں۔ رام داس نے آج تک ہم میں

سے کسی کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا لیکن تمہاری جھونپڑی جلانے اور مادھو کو پکڑ کر لے جانے کی وجہ جو میری سمجھ میں آ سکتی ہے یہی ہو سکتی ہے کہ اسے کسی طرح یہ علم ہو گیا ہے کہ تم ہمارے سردار کی بیٹی ہو اور سردار کے نواسے کا ہم لوگوں میں رہنا زیادہ خطرناک سمجھتے ہوں گے لیکن میں حیران ہوں کہ انہیں یہ علم کیسے ہو گیا؟"

کنول نے کہا "اور تو کسی کو پتہ نہیں۔ سردار کا بیٹا ہمارے گھر آیا تھا۔ اس نے ششا نتا کے پتا کی انگوٹھی دیکھ کر ہمیں پہچان لیا تھا۔ لیکن وہ ......!"

ششا نتا نے کنول کا فقرہ پورا نہ ہونے دیا۔ فوراً بولی "نہیں ماتا۔۔۔ وہ ایسا نہیں۔ رندھیر ہمارے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔"

تیجو نے کہا "بیٹی! تو ان لوگوں کو نہیں جانتی۔ یہ لوگ خطرے کو کوسوں دور سے دیکھ لیتے ہیں۔ رندھیر کو میں نے بھی کئی دفعہ شکار پر جاتے دیکھا ہے۔ وہ شکل و صورت سے بہت رحم دل معلوم ہوتا ہے لیکن ہمیں کسی کی شکل دیکھ کر دھوکا نہیں کھانا چاہیے ان لوگوں کے چمڑے ملائم ہیں لیکن دل پتھر کی طرح سخت ہیں۔"

ششا نتا نے جواب دیا "لیکن وہ اسی رام داس کا بیٹا ہے جس کی تم تعریف کر رہے تھے۔"

"ہاں! یہ میں جانتا ہوں کہ رام داس ان لوگوں سے مختلف ہے لیکن وہ ہم سے نیک سلوک بھی اپنی بھلائی کے لیے کرتا ہے۔ یہ اس کی نرمی کا نتیجہ ہے کہ ہماری آدھی سے زیادہ قوم جسے غلام رکھنے کے لیے اسے ہر وقت ہزاروں سپاہیوں کی ضرورت ہوتی، آج اس کے ڈیڑھ دو سو سپاہیوں کے اشاروں پہ ناچتی ہے۔ وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہمارے شہر میں نہ آؤ اور ہم اس کے قریب سے نہیں گزرتے۔ یہ شہر بھی وہ ہے جس کے مکانات کے نیچے ہماری جھونپڑیوں کی راکھ دبی ہوئی ہے۔ تم سوچو کہ اگر ہم ان کے کنووں پر چڑھ جائیں یا مندروں

میں داخل ہو جائیں تو رام داس ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ اب تم ہی بتاؤ کہ جھونپڑی رام داس کی اجازت کے بغیر کوئی جلا سکتا تھا؟ اور مادھو کو اس کے حکم کے بغیر کوئی پکڑ کر لے جا سکتا تھا؟"

تیجو کے دلائل کے سامنے شانتا کی پیش نہ گئی وہ دل ہی دل میں زندھیر کے خلاف پیدا ہونے والے شکوک کے خلاف جنگ کر رہی تھی۔

کنول نے کہا: "لیکن اب کیا ہوگا وہ مادھو کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟"

تیجو نے جواب دیا "مادھو کے لیے میری جان حاضر ہے لیکن مجھے امید نہیں کہ بہت سے لوگ میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔"

پانچ چھ آدمیوں کی آواز آئی "ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

کنول نے ان کی طرف یکے بعد دیگرے دیکھا وہ سب کے سب بوڑھے تیجو کے ہم عمر اور کنول کے باپ کے پرانے وفاداروں میں سے تھے۔ نوجوانوں کے چہروں پر ہمدردی کی بجائے خوف غالب تھا۔ شہر والوں کے متعلق وہ کسی برے خیال کو اپنے دل میں جگہ دینا بھی ایک پاپ سمجھتے تھے۔ عورتوں کو کنول کے بیٹے سے زیادہ اپنی جھونپڑیاں عزیز تھیں۔ مائیں اپنے بیٹوں، بیویاں اپنے شوہروں اور بہنیں اپنے بھائیوں کے ہاتھ پکڑ کر اپنے گھروں کی طرف چل دیں کنول کے پاس صرف چھ آدمی اور ایک چودہ سال کا لڑکا رہ گئے۔ یہ لڑکا تیجو کا پوتا تھا اور اس کا نام لالو تھا۔

کنول نے کہا "یہ سب ڈر گئے۔ میں نے انہیں شہر والوں کے ساتھ لڑنے کو تو نہیں کہا تھا۔"

لالو نے آگے بڑھ کر کہا "میں تمہارے لیے لڑوں گا۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔"

کنول نے اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا "بیٹا! تم کون ہو؟"

تیجو بولا: "یہ میرا پوتا ہے۔"

لالو نے تیجو سے پوچھا "بابا! میں شہر جا کر مادھو کا پتہ لگاؤں؟"

کنول نے حیران ہو کر کہا "تم؟ نہیں بیٹا، جاؤ تم گھر جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ تیجو کی طرف متوجہ ہوئی "چچا! تم شانتا کو اپنے گھر لے جاؤ میں خود شہر جاتی ہوں۔ رام داس سکھدیو کا دوست تھا اس نے ہماری جان اس وقت بچائی تھی جب ہم راجہ کی قید میں تھے اور صبح ہم دونوں کا بلیدان دیا جانے والا تھا اب بھی مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری مدد کرے گا۔ اگر مادھو کو اس نے کوئی خطرہ محسوس کر کے گرفتار کیا ہے تو میں اس کی تسلی کر دوں گی۔ اگر اسے ہمارا اس جگہ رہنا پسند نہ ہوا تو میں اس سے یہ ملک چھوڑ دینے کا وعدہ کروں گی وہ یقیناً مادھو کو چھوڑ دے گا۔"

تیجو نے کہا "لیکن رام داس کے گھر تک تمہاری رسائی بہت مشکل ہے۔ اول تو تمہیں شہر میں کوئی داخل نہ ہونے دے گا۔ اور اگر بچ بچا کر وہاں تک چلی بھی جاؤ تو اس کے سپاہی تمہیں دور سے دھتکار دیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ الفاظ کی بجائے اینٹیں استعمال کریں اور اس وقت تو شہر کا دروازہ بھی بند ہوگا۔ میں لالو کو بھیجتا ہوں یہ مادھو کو تلاش کرے گا۔ اگر اسے موقع ملا تو شاید اس کی بھی مدد کر سکے۔"

کنول نے پوچھا "لالو کون ہے؟"

تیجو نے اپنے پوتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا "یہی۔"

کنول نے کہا "نہ چچا اسے نہ بھیجو، یہ بچہ ہے۔ یہ کیا کریگا وہاں جا کر؟"

تیجو نے جواب دیا "بیٹی! تو اسے نہیں جانتی۔ شہر کا کوئی گھر ایسا نہیں، جہاں یہ نہیں جاتا۔"

"لیکن وہ اسے کچھ نہیں کہتے۔"

"یہ آج تک کسی کے قابو میں نہیں آیا۔ رات کے وقت شہر کی دیوار پھاند کر ان کے گھروں سے کھانے پینے کی چیزیں چرا لانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس کا رنگ بھی اپنے باپ کی طرح سفید ہے اور یہ دن کے وقت بھی ان ہی کے چوری کیے ہوئے کپڑے پہن کر ان کے گھروں اور مندروں میں چلا جاتا ہے۔ اب تم میرے گھر چلو! لالو صبح سے پہلے کوئی اچھی خبر لے کر آئے گا۔ اگر یہ کسی طرح مادھو کو قید سے نکال لایا تو ہم تمہیں پہاڑوں میں پہنچا دیں گے۔"

مادھو کے متعلق کنول کے خدشات نے اسے تیجو کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اس نے کہا "اب اور تو کچھ نہیں رہ گیا۔ یہ چارپائیاں اٹھا لیں۔"

شانتا نے موقع پا کر لالو کا بازو پکڑ لیا اور اسے ذرا ایک طرف لے جا کر آہستہ سے کہا: "لالو! تم شہر کا ہر گھر جانتے ہو؟"

اس نے جواب دیا "بہت اچھی طرح۔"

"تم نے رندھیر کو دیکھا ہے؟"

"کئی بار۔"

"اس کے گھر کا پتہ ہے؟"

"واہ! یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ہر روز شہر جائے اور اسے رندھیر کے گھر کا پتہ نہ ہو۔"

"اچھا لالو! تم میرے بھائی ہو نا؟"

لالو نے خوش ہو کر اثبات میں سر ہلایا۔

"میرا ایک کام کرو گے؟"

"ضرور کروں گا۔"

تم رندھیر کے پاس جا کر اسے کہو کہ سانپ کے زہر سے شانتا کی حالت پھر خراب ہو گئی ہے۔ وہ مرنے سے پہلے تمہیں دیکھنا چاہتی ہے اور لو! یہ انگوٹھی اسے دے دینا۔"

لالو نے انگوٹھی لے لی اور کہا "بس میں ابھی جاتا ہوں۔ صرف گھر جا کر کپڑے بدلوں گا۔"

شانتا نے کہا: "اور دیکھو میں تمہیں ہر روز دودھ اور مکھن دیا کروں گی۔"

لالو نے جواب دیا "اول ہوں۔ دودھ اور مکھن سے مجھے نفرت ہے میں صرف اونچی ذات والوں کے گھر کے پکوان کھایا کرتا ہوں۔"

قربانی

چرواہوں کی بستیوں میں کوئی ایسا نہ تھا جسے لالو کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ وہ بلا کا چست اور بے حد نڈر تھا۔ بھاگنے، تیرنے اور درختوں پر چڑھنے میں کوئی اس کا ہم پلّہ نہ تھا۔ اس کی شرارتوں کی داستانیں ہر بچّے اور ہر بوڑھے کی زبان پر تھیں اسے جنگل کے درندوں کا خوف تھا نہ شہر کے مہذّب انسانوں کا ڈر۔ اگر ایک دن اس کے متعلق یہ خبر مشہور ہوتی کہ وہ جنگل سے ریچھ کا بچّہ پکڑ لایا ہے، تو دوسرے دن یہ سُنا جاتا کہ وہ شہر کے کسی معزّز آدمی کے نئے کپڑے یا کسی اونگھتے ہوئے سپاہی کے ہتھیار اٹھا لایا ہے۔

ماں باپ کا سایہ بچپن میں سر سے اٹھ جانے کے بعد اس کی دیکھ بھال کی تمام ذمہ داری تیجو پر تھی۔ تیجو نے اسے ایک اچھا ماہی گیر اور ایک فرض شناس چرواہا بنانے کے لیے بہت جتن کیے لیکن لالو پر اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ چنانچہ اسے چودہ سال کی عمر تک سمجھانے، گالیاں دینے اور پیٹنے کے بعد مایوس ہو کر اس نے نہ صرف اس کے مشاغل میں دخل دینا ترک کر دیا بلکہ آہستہ آہستہ ان میں دلچسپی لینے لگا۔

شروع شروع میں لالو نے تاریک راتوں میں شہر کے محلّات اور مندروں کی سیر کی۔ لیکن اب وُہ دن کے وقت بھی وہاں سے ہو آتا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا کپڑے وہ کئی سال کی ضرورت سے زیادہ جمع کر چکا تھا۔ اس لیے شہر میں کبھی کسی

نے اس کا حسب نسب پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی وُہ ان کے آدابِ معاشرت اور پوجا پاٹ کے تمام طریقوں سے واقف ہو چکا تھا۔

لالو تین پہر رات گئے شہر میں داخل ہُوا۔ رام داس کے مکان کا دروازہ بند تھا اور پہرے دار دیوار کے سہارے بیٹھا خراٹے لے رہا تھا۔ مکان کی چار دیواری بہت اونچی تھی۔ لالو نے پچھلی طرف جا کر دیوار کے ساتھ اُگے ہوئے آم کے درخت سے سیڑھی کا کام لیا اور مکان کے اندر پہنچ گیا وہ اس مکان کے ہر کونے سے واقف تھا۔ رام داس اور رندھیر گرمیوں میں مکان کی چھت پر سویا کرتے تھے وہ دبے پاؤں سیڑھیوں پر چڑھتا ہُوا چھت پر پہنچا لیکن آج خلافِ معمول وہاں پر صرف ایک چارپائی تھی۔ اس نے جھک کر غور سے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ اس پر سونے والا رام داس ہے لیکن رندھیر کہاں ہے؟ اس نے اپنے دل سے سوال کیا۔

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد وہ نیچے اترا۔ صحن میں چند نوکر سو رہے تھے اسے خیال آیا کہ شاید رندھیر آج ان کے پاس سو گیا ہو لیکن انہیں اچھی طرح دیکھنے کے بعد اسے پھر مایوسی ہوئی۔

پو پھٹنے سے کچھ دیر پہلے وہ جس راستے مکان میں داخل ہُوا تھا، اسی راستے واپس نکل آیا۔ اب کسی اور طرف رُخ کرنے سے پہلے اس نے کسی جگہ بیٹھ کر صبح کا انتظار کرنا ضروری سمجھا لیکن اسے بھوک محسوس ہوئی۔ شہر کے باہر ایک باغ میں اسے ایک پودے کے آم بہت پسند تھے وہ اس طرف چل دیا لیکن پندرہ بیس قدم اٹھانے کے بعد وہ ایک مکان میں کسی کی آواز سن کر رک گیا۔

کوئی عورت ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی:

”ماتا اب مجھے جانے دو ـــ بھگوان کے لیے مجھے جانے دو۔ وہ نردوش

ہے اس نے موتیاں نہیں چرائیں۔ اگر ہمارا ان کے گھر جانا پاپ تھا تو اس کی سزا ہمیں ملنی چاہیئے نہ کہ اسے اور یہ پاپ نہیں تھا۔ اس لڑکی نے رندھیر کی جان بچائی تھی ہم اس کی خبر کو گئے تھے۔"

دوسری عورت کہہ رہی تھی کہ "موہنی اپنے باپ کے منہ پر کلنک کا ٹیکہ نہ لگاؤ۔ کوئی سن لے گا تو کیا کہے گا؟"

"نہیں ماتا! مجھے جانے دو۔ اگر اس کا بلیدان دیا گیا تو میں دریا میں ڈوب مروں گی۔"

"موہنی! میرے دودھ کی شرم کرو مندر میں جاکر تمام لوگوں کے سامنے اپنے باپ کے سر پر خاک ڈالو گی؟ وہ تمہیں کبھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"تو ماتا تم جاکر پتا کو سمجھاؤ وہ تمہاری بات ضرور مانے گا۔"

"نہیں وہ اس کا بلیدان دینے کی قسم کھا چکا ہے۔ آج اس نے کسی پہریدار کا بھی اعتبار نہیں کیا وہ خود مندر میں پہرہ دے رہا ہے۔"

"تو بھگوان کے لیے مجھے رندھیر کے گھر جانے دو۔ رندھیر کے پتا کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی بہن نے رندھیر کی جان بچائی ہے تو وہ ضرور اسے بچا لے گا۔"

"موہنی بھگوان کے لیے چپ رہو۔ کیا رندھیر یہ اپنے پتا کو نہیں بتا سکتا؟"

"ماتا تم خود کہتی ہو کہ رندھیر کوٹھڑی میں بند ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ سپاہی مادھو کو پکڑ کر لے آئے ہیں۔"

"میرے سامنے بار بار اس ذلیل کتے کا نام نہ لو۔ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟"

"مجھے اس کی پروا نہیں۔ اگر اس کا بلیدان دیا گیا تو کوٹھے کی چھت پر چڑھ

کر چلاؤں گی۔ یہ پاپ تھا وہ بے گناہ تھا۔ ماتا بھگوان کے لیے اس کی جان بچاؤ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں کبھی جھیل پر نہیں جاؤں گی۔"

اس کے بعد دیر تک ہچکیوں کی آواز آتی رہی۔

---

(۲)

یہ باتیں سننے کے بعد لالو آموں کو بھول گیا اور سیدھا کالی دیوی کے مندر کی طرف بھاگا۔ رات کی سیاہی صبح کی دھندلی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ مندر کے قریب پہنچ کر اسے شنکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ شنکر کا چہرہ جھلس جانے پر زیادہ سیاہ ہو چکا تھا۔ اس نے لالو کو دور سے دیکھتے ہی پوچھا: "پروہت جی آ گئے؟"

"کون سے پروہت جی؟"

"کالی دیوی کے مندر کے۔"

"وہ کہاں گئے ہوئے تھے؟"

"دھرم پور۔ سردار نے انہیں لانے کے لیے آدمی بھیجے تھے۔"

"شاید آ گئے ہوں مجھے پتہ نہیں لیکن تمہارے منہ کو کیا ہوا؟"

شنکر نے خشک لہجے میں جواب دیا "کچھ نہیں" اور بڑبڑاتا ہوا آگے چل دیا۔ لالو بھاگتا ہوا کالی دیوی کے مندر میں پہنچا۔ مادھو رسیوں میں جکڑا ہوا مندر کے سامنے پڑا تھا اور ارجن کے علاوہ پندرہ سپاہی اس سے ذرا دور ہٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ لالو نے وہاں ایک لمحہ بھی ضائع کرنا مناسب خیال نہ کیا اور واپس شہر کی طرف بھاگا۔ راستے میں اسے مندر کی طرف آنے والے مردوں اور عورتوں کی کئی ٹولیاں ملیں۔

رام داس کے گھر کا دروازہ اب کھلا تھا اور وہ کسی قسم کی جھجک سے بغیر بغیر اندر داخل ہو گیا۔ رام داس ایک وسیع کمرے میں شہر کے چند سرکردہ برہمنوں اور کھشتریوں کے درمیان بیٹھا اُن سے باتیں کر رہا تھا۔ گفتگو کا موضوع مادھو کا بلیدان تھا۔

لالو نے کچھ دیر دروازے سے باہر کھڑے ہو کر یہ باتیں سنیں اور پھر مکان میں ادھر ادھر پھر کر رندھیر کو تلاش کرنے لگا۔

رندھیر کی کوٹھڑی تلاش کرنے میں اسے دیر نہ لگی لیکن دروازے کو قفل لگا ہُوا تھا اور باہر ایک پہرے دار کھڑا تھا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد لالو کے ذہن میں ایک تدبیر آئی اور اس نے پہریدار کے پاس جا کر کہا: "سردار نے تمہیں بلایا ہے۔"

پہریدار رام داس کے کمرے کی طرف چل دیا اور لالو نے جلدی سے دروازے کے قریب جا کر رندھیر کو آواز دی۔

"کون ہے؟" رندھیر نے اندر سے پوچھا۔

لالو نے جواب دیا "باتوں کا وقت نہیں۔ سنو آج کالی دیوی کے مندر میں مادھو کا بلیدان دیا جائے گا۔ مجھے شانتا نے بھیجا ہے وہ سانپ کے زہر سے مر رہی ہے اس نے مجھے اپنی انگوٹھی دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور وہ کہتی تھی میرے بھائی کی جان بچاؤ۔ یہ لو میں اسے کواڑ کے نیچے سے اندر پھینک رہا ہوں۔"

رندھیر نے جلدی سے کہا: "ٹھہرو! ٹھہرو!! انگوٹھی اندر مت پھینکو۔ تم اگر میرے پتا کے پاس جا سکتے ہو تو یہ انگوٹھی ان کے پاس لے جاؤ۔ اُن سے کہو۔ یہ ان کے دوست کی آخری نشانی ہے۔ اس پہ جس شخص کا نام ہے۔ وہ مادھو کا باپ ہے۔"

پہریدار بڑبڑاتا ہُوا واپس آ رہا تھا اور لالو اسے دیکھ کر برآمدے کے ستونوں کے پیچھے چھپتا ہُوا بڑے کمرے کی طرف کھسک آیا۔

رام داس کے کمرے میں لوگوں کی تعداد اب پہلے سے زیادہ ہو چکی تھی۔ لالو کو پیام رسانی کا فرض ادا کرنا مشکل نظر آیا۔ تھوڑی دیر وہ دروازے میں کھڑا موقع ملنے کا انتظار کرتا رہا۔ اتنے میں ایک شخص بھاگتا ہُوا کمرے میں داخل ہُوا اور اس نے سردار سے کہا۔ مہاراج! پروہت جی پہنچ گئے۔ مندر میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

رام داس نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا "آپ چلیں! میں ابھی آتا ہوں۔" لوگ یکے بعد دیگرے نکل آئے۔ رام داس نے ایک شخص کو ہاتھ کے اشارے سے روک لیا اور آہستہ سے کہا: "گوپال میں شاید وہاں نہ آؤں۔ مجھ سے یہ تماشا نہ دیکھا جائے گا، پروہت سے کہہ دینا میرا زیادہ دیر انتظار نہ کرے۔"

گوپال "بہت اچھا" کہہ کر چل دیا لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر پھر واپس مڑا اور کہنے لگا،

"مہاراج! آپ نے اس لڑکے کو نہیں دیکھا؟"

رام داس نے جواب دیا "نہیں میں نے سنا ہے کہ وہ بہت خوش شکل نوجوان ہے۔"

"مہاراج! اس کی شکل سکھدیو جیسی ہے۔"

"سکھدیو جیسی؟"

"ہاں مہاراج"! گوپال یہ کہہ کر مکان سے باہر نکل آیا اور رام داس کمرے میں ٹہلنے لگا۔ لالو چپکے سے اندر داخل ہُوا۔

رام داس اسے دیکھتے ہی چلّایا "تم کون ہو؟ جاؤ یہاں سے؟"

"مہاراج! . . . . یہ . . . . . انگوٹھی" لالو نے اپنا فقرہ پورا کیے بغیر انگوٹھی

رام داس کے ہاتھ میں تھما دی۔ رام داس نے انگوٹھی لے کر بے پروائی سے ایک طاقچے میں رکھ دی۔

لالو نے پھر بولنے کی جرأت کی "مہاراج! یہ آپ کے دوست کی . . . !"

رام داس نے اس کا کان پکڑ کر دروازے سے باہر نکالتے ہوئے کہا "جس کی ہوگی اسے مل جائے گی۔ میرے کان نہ کھاؤ۔"

لالو نے آخری بار ہمت کی "مہاراج یہ . . . !"

"بھاگ جاؤ یہاں سے۔ ارے کوئی ہے؟"

لالو شکست خوردہ سا ہو کر وہاں سے چل دیا اور برآمدے کے ایک ستون کے قریب کھڑا ہو کر نئی نئی تدابیر پر غور کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص شور مچاتا ہوا مکان کے اندر داخل ہوا۔

"مہاراج! مہاراج!! غضب ہو گیا!!!"

رام داس چیخ پکار سن کر ہاتھ میں تلوار لیے کمرے سے باہر نکلا اور اس نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"مہاراج! غضب ہو گیا۔ شہر میں ایک شودر گھس آیا ہے اس کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ سپاہیوں نے اسے روکا لیکن وہ کہتا تھا میں تمہارے سردار سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ دو سپاہیوں کو زخمی کر چکا ہے۔ ایک سپاہی کی تلوار اس کے سینے میں لگی لیکن اسے معلوم بھی نہیں ہوا۔ مہاراج! وہ راکشس ہے۔ وہ اس طرف آ رہا ہے اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ شہر کے تمام آدمی مندر میں جا چکے ہیں۔ سرکار وہ آ گیا! وہ آ گیا!!"

لالو نے باہر کے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک شخص خون آلود تلوار ہاتھ میں لیے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کی طرف آ رہا تھا۔ یہ بدھو تھا۔ اس کے پاؤں

لڑکھڑا رہے تھے اور برہنہ سینے سے خون کی دھار بہہ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں سے مظلومیت ٹپک رہی تھی۔

رام داس نے کہا "ٹھہرو! تم کون ہو؟" اور تلوار سونت کر آگے بڑھا۔

بدھو اسے سر کی جنبش اور ہاتھ کے اشارے سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ لڑنے کے ارادے سے نہیں آیا۔ اس کی آنکھوں کی خاموش فریاد سے متاثر ہو کر رام داس نے پوچھا "تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

بدھو کے بھنچے ہوئے ہونٹوں میں ایک خفیف سی جنبش ہوئی۔ اس نے پوچھا "تم رام داس ہو؟"

"ہاں کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"مادھو، سکھدیو کا بیٹا ہے۔ رندھیر کو معلوم ہے، اسے بچاؤ! اسے بچاؤ!! وہ سکھدیو کا بیٹا ہے اسے !!!"

آخری الفاظ آہستہ آہستہ چند بار دہرانے کے بعد اس کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی اور وہ نیچے گر پڑا۔ اس کے ہونٹ بدستور ہل رہے تھے۔ وہ بیہوشی کی حالت میں "اسے بچاؤ! اسے بچاؤ" دہرا رہا تھا۔ اس کی آواز خفیف سے خفیف تر ہو رہی تھی یہاں تک کہ صرف ہلتے ہوئے ہونٹ نظر آ رہے تھے اور آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ بدھو نے ایک جھرجھری لی اور اس کے ہونٹ آخری بار ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ میدانِ ہستی کا تھکا ہوا مسافر ملکِ عدم پہنچ چکا تھا لیکن بے جان آنکھیں ابھی تک رام داس کے چہرے پر اپنی فریاد کا اثر ڈھونڈ رہی تھیں۔ لالو اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔

(۳۱)

بدھو کی موت نے رام داس پر بھی ایک گہرا اثر کیا۔ کچھ دیر بدھو کو پہچاننے کی ناکام کوشش کے بعد وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا رندھیر کی کوٹھڑی کی طرف بڑھا اور پہریدار کو کوٹھڑی کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

دروازہ کھلتے ہی رندھیر لپک کر باہر نکلا اور رام داس کی طرف غصہ، نفرت اور حقارت سے دیکھتے ہوئے بولا:

"پتاجی! اب تو آپ کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا لیکن میں پوچھتا ہوں کیا انصاف یہی تھا۔ سماج کا قانون توڑنے والا آپ کا بیٹا تھا لیکن بلیدان کے لیے آپ نے ایک ایسے بے گناہ شخص کو منتخب کیا جس کے خون کا ہر قطرہ صدیوں تک سماج کے ماتھے پر بدنامی کا داغ بن کر چمکتا رہے گا۔"

"رندھیر! میرے ساتھ آؤ" رام داس نے یہ کہہ کر رندھیر کا بازو پکڑ لیا اور اسے اس جگہ لے آیا جہاں بدھو پڑا ہوا تھا۔ رام داس نے بدھو کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رندھیر سے پوچھا "اسے جانتے ہو، یہ کون ہے؟"

رندھیر کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا بدھو کی لاش کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے پرنم آنکھیں اوپر اٹھائیں اور رام داس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"پتاجی! یہ آپ کی دوسری فتح ہے ـــــ میں اسے جانتا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ رندھیر کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ بدھو کی تلوار اس کے ساتھ پڑی ہوئی تھی۔ رندھیر نے اس کا دستہ پہچان لیا اور اٹھا کر رام داس کو پیش کرتے ہوئے کہا:

"پتاجی! یہ مادھو کے باپ اور آپ کے دوست کی دوسری نشانی ہے۔

انگوٹھی میں نے آپ کو بھیج دی تھی۔"

رام داس نے تلوار ہاتھ میں پکڑ لی اور پوچھا "کونسی انگوٹھی؟"

رندھیر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور لالو اس کا مطلب سمجھ کر بھاگتا ہوا کمرے میں جا کر انگوٹھی لے آیا اور بولا "مہاراج یہ ہے۔ میں نے ابھی آپ کو دی تھی لیکن آپ نے اسے طاقچے میں پھینک دیا تھا۔"

رام داس دوسرے ہاتھ میں انگوٹھی پکڑ کر جواب طلب نگاہوں سے رندھیر کی طرف دیکھنے لگا۔

رندھیر نے کہا "پتاجی! اس انگوٹھی پر سکھدیو کا اور اس تلوار پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے۔"

رام داس نے یکے بعد دیگرے تلوار کے دستے اور انگوٹھی کی طرف دیکھا، اور دونوں چیزیں اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گر پڑیں۔ اضطراری حالت میں اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

"اف بھگوان! کیا یہ ممکن ہے؟" اس نے رندھیر کی طرف دیکھا اور کہا:

"رندھیر! تمہیں یقین ہے کہ وہ سکھدیو کا بیٹا ہے؟"

رندھیر نے جواب دیا "پتاجی! اب میرے یقین دلانے سے کیا ہو گا کاش آپ مجھے کل رات بات کرنے کا موقع دیتے۔ اب جو ہونا تھا سو ہو چکا۔"

رام داس نے کہا "نہیں! ابھی کچھ نہیں ہوا۔ وہ ابھی تک زندہ ہے میں اسے بچا سکتا ہوں" میں اسے بچاؤں گا۔"

یہ کہہ کر رام داس اصطبل کی طرف بھاگا۔ رندھیر نیچے پڑی ہوئی تلوار اور لالو انگوٹھی اٹھا کر پیچھے بھاگے۔

چند لمحوں کے بعد رام داس اور رندھیر گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار مندر کا

رُخ کر رہے تھے۔ لالو رندھیر کے ساتھ چمٹا ہُوا تھا۔

---

(۴)

کالی دیوی کی مُورتی کے پُجاری اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ مادھو کو رسّیوں میں جکڑ کر مورتی کے سامنے لِٹا دیا گیا تھا۔ ایک پُجاری اس کے سر پہ چمکتا ہُوا برچھا لیے کھڑا تھا۔ پروہت مقدس زبان میں کوئی بھجن گا رہا تھا۔

مادھو کے چہرے پر خوف کی بجائے ایک غیر معمولی عزم و استقلال تھا اس کی آنکھیں ایک ایسے سکون کی آئینہ دار تھیں جو ایک مسافر کو لمبے اور تکلیف دہ سفر کے بعد منزلِ مقصود پر پہنچ کر حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہر لمحہ دنیا سے دُور اور بھگوان سے نزدیک جا رہا تھا۔ وہ دنیا کے ہر کام میں بھگوان یا کائنات کی ایک زبردست طاقت کی مرضی کا قائل ہو چکا تھا۔ موہنی کے تصور سے اس کے دل میں زندہ رہنے کی خواہش اسے تھوڑی دیر کے لیے پریشان کر دیتی لیکن وہ ہر بار اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دینے کی کوشش کرتا کہ موہنی اس کے پرواز کی آخری منزل نہ تھی وہ صحیح منزلِ مقصود کی طرف رہنمائی کرنے والا ایک روشن ستارہ تھا۔

جب جلّاد برچھا لے کر سر پر کھڑا ہو گیا تو ایک لمحہ کے لیے اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی لیکن اس نے فوراً اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ اب ڈرنے یا کانپنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ اگر بھگوان تجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو یہ برچھا تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور اگر اسے تیرا رہنا منظور نہیں تو دنیا کی کوئی طاقت تجھے نہیں بچا سکتی۔

بھجن گانے والے پروہت کی آواز بلند ہوئی اور تماشائی "کالی دیوی کی

جے"، "کالی دیوی کی جے" کے نعرے لگانے لگے۔ پجاری دونوں ہاتھوں سے برچھا بلند کر کے پروہت کے اشارے کا انتظار کرنے لگا۔ اپنے تمام عزم و استقلال کے باوجود مادھو موت کو اس قدر قریب سے دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

لالو بھاگتا ہُوا مندر میں داخل ہُوا۔ اس نے بلند آواز میں کہا: "ٹھہر جاؤ! ٹھہر جاؤ!! مہاراج آتے ہیں۔"

پروہت کی آواز گلے میں رک گئی اور پجاری کا برچھا نیچے جھک گیا۔ لوگ مڑ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ اتنی دیر میں رام داس اور رندھیر مندر میں داخل ہو چکے تھے۔ لوگ ایک دوسرے سے کانا پُھوسی کرنے لگے۔ رام داس کچھ کہے بغیر لوگوں کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہُوا مورتی کے قریب پہنچا اور مادھو کو دیکھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہُوا۔

"تم سب اپنے اپنے گھر چلے جاؤ آج بلیدان نہیں ہو گا۔"

دن کی روشنی اگر رات کی تاریکی میں تبدیل ہو جاتی تو بھی شاید لوگ اس قدر بدحواس نہ ہوتے

پروہت نے سراسیمگی کی حالت میں رام داس کی طرف دیکھا اور کہا: "مہاراج! بلیدان کی تمام رسمیں پُوری ہو چکی ہیں۔ اب اسے روکنا نہ آپ کے اختیار میں ہے نہ ہمارے بس میں۔"

"مجھے ظلم کی روک تھام کا ہر وقت حق ہے" یہ کہتے ہوئے رام داس تلوار سے مادھو کے ہاتھ پاؤں کی رسّیاں کاٹنے لگا۔

کالی دیوی کے مندر کا پروہت کچھ مرعوب ہو گیا لیکن بڑے مندر کے پروہت نے آگے بڑھ کر کہا: "مہاراج! آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ دھرم کی عزّت کا معاملہ ہے۔"

رام داس نے بدستور رسیاں کاٹتے ہوئے جواب دیا: "دھرم کی عزت بے انصافی میں نہیں انصاف میں ہے۔"

پروہت بولا: "مہاراج! کیسی بے انصافی! اس نے بھجن سنے۔ اس نے مورتیاں چرائیں اور برہمنوں کی پنچائت نے اس کے متعلق جو فیصلہ کیا تھا آپ اس سے بھی متفق تھے۔ اب آپ یہ کیا کر رہے ہیں یہ دیوی کے مندر کی توہین ہے۔"

ارجن نے آگے بڑھ کر کہا: "نہیں! دیوی کی توہین نہیں ہو گی بلیدان ضرور ہو گا۔"

عوام بھی شور مچانے لگے: "ضرور ہو گا۔ ضرور ہو گا۔"

رام داس مادھو کی تمام رسیاں کاٹ چکا تھا وہ ارجن کی طرف دیکھ کر ذرا سخت لہجے میں بولا: "ارجن! تم جانتے ہو کہ یہ بے قصور ہے۔ اس نے مورتیاں نہیں چرائیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ مورتیاں کس کی ہیں؟ میں تمہاری عزت کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن اس پر ظلم نہیں کر سکتا۔"

ارجن نے ندامت سے آنکھیں جھکا لیں لیکن لوگ بدستور شور مچا رہے تھے: "بلیدان ضرور ہو گا۔ بلیدان ضرور ہونا چاہیئے۔"

شہر کا سرکردہ برہمن جو راجہ کے دربار کے بڑے پروہت کا رشتہ دار تھا بولا: "مہاراج! آپ کو دھرم کی باتوں میں دخل دینے کا حق نہیں۔ آپ اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔ اگر آپ نے زبردستی کی تو ہم سب راجہ کے پاس جائیں گے۔"

رام داس نے جواب دیا: "میں انصاف کے معاملے میں کسی سے نہیں ڈرتا مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ مورتیاں اس نے خود بنائی ہیں مندروں سے نہیں چرائیں۔"

"مہاراج! آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ مورتیاں اس نے خود بنائی ہیں؟"

رام داس نے کہا: "رندھیر! تم بتاؤ!"

رندھیر بولا: "میں نے اسے اپنی آنکھوں سے جھیل کے کنارے مورتی تراشتے دیکھا تھا۔"

"اور بھجن؟"

رام داس نے کہا: "جو لوگ اس پر بھجن گانے کا الزام لگاتے ہیں میں انہیں قابلِ اعتماد نہیں سمجھتا۔ رندھیر! اسے لے جاؤ۔"

برہمن سردار کے مقابلے میں اپنی شکست برداشت نہ کر سکے۔ وہ مندر میں جمع ہونے والے لوگوں کو بے حسی اور بزدلی کا طعنہ دے کر اکسانے لگے نصف سے زیادہ کھشتری ان کے طرفدار بن گئے۔

بڑے مندر کے پروہت نے کہا: "مہاراج! اب ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ بے گناہ ہے یا گنہگار۔ اب تمام رسمیں پوری ہو چکی ہیں اور بلیدان کسی حالت میں بھی نہیں رک سکتا۔"

کھشتریوں کو برہمنوں کا ساتھ دیتے ہوئے دیکھ کر رام داس کو صدمہ ہوا اس نے کہا: "بہت اچھا! بلیدان ہو گا۔"

مندر میں کالی دیوی کی جے! اور مہاراج کی جے!! کے نعرے بلند ہوئے۔ رام داس نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش کیا اور کہا: "لیکن بلیدان اس کا نہیں بلکہ میرا ہو گا۔"

بیسیوں آوازیں ایک ساتھ نکلیں: "آپ کا؟"

"ہاں! میرا۔" رام داس نے یہ کہہ کر دیوی کے سامنے بیٹھ کر سر جھکا دیا اور کہا: "اگر بلیدان اسی قدر ضروری ہے تو میں حاضر ہوں۔ پروہت جی! آپ تمام رسمیں پوری کر چکے ہیں۔ پجاری کو میری گردن کاٹنے کا حکم دیجیے۔ میں دیوی کے احترام کے لیے اپنی جان دے سکتا ہوں لیکن اسے ایک بے گناہ کے خون کے چھینٹوں سے

واغدار نہیں کر سکتا۔"

رام داس انسانی فطرت کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اس کا یہ حربہ کارگر ہوا۔ برہمنوں کی زبان تھوڑی دیر کے لیے گنگ ہو گئی اور کھشتری پھر اس کے طرفدار بن گئے۔ ارجن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا لیا۔

رام داس نے پروہت کی طرف دیکھ کر کہا "پروہت جی! بس اتنی سی بات سے گھبرا گئے؟"

یہ کہہ کر رام داس مادھو کا بازو پکڑ کر مندر سے باہر نکل آیا۔ رندھیر بھی اس کے ساتھ ہی نکلا۔ لوگ اس قدر بدحواس تھے کہ کسی کے دل میں ان کا راستہ روکنے کا خیال تک پیدا نہ ہُوا۔

مندر سے باہر نکل کر رام داس نے پوچھا "مادھو! سکھدیو کہاں ہے؟"

مادھو نے جواب دیا "انہیں مرے ہوئے مدت ہو گئی۔"

"تمہاری ماتا کا نام کنول ہے نا؟"

مادھو نے اثبات میں سر ہلایا۔

رام داس نے کہا "اچھا! اب تم فوراً گھر جاؤ۔ شہر کے لوگ تمہارا پیچھا کریں گے۔ تم اپنی ماں اور بہن کو لے کر پہاڑوں کی طرف نکل جاؤ۔ ادھر دیکھو! اس پہاڑی کے دامن میں ایک چشمہ ہے۔ رات کے وقت وہاں پہنچ کر میرا انتظار کرنا۔ میں کل صبح سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں گا۔ جلدی جاؤ وقت ضائع نہ کرو۔ ان لوگوں کا جوش زیادہ دیر ٹھنڈا نہیں رہے گا۔"

احسان مندی کے الفاظ مادھو کے سینے میں گھٹ کر رہ گئے اور وہ کچھ کہے بغیر مندر کی چاردیواری سے باہر نکل کر بھاگنے لگا۔

رندھیر نے کہا "پتا جی! اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں سے ہو آؤں میں

ابھی آ جاؤں گا۔"

رام داس نے مسکراتے ہوئے رندھیر کی طرف دیکھا اور سوال کیا "مادھو کی بہن کا کیا نام ہے؟"

اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا "شانتا۔"

رام داس نے کہا "رندھیر! اس وقت تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔"

"لیکن پتا جی! وہ مر رہی ہے۔"

"کون شانتا! کیا ہُوا اسے؟"

رندھیر اس سوال کا جواب دینا چاہتا تھا لیکن مندر سے چند برہمن شور مچاتے ہوئے باہر آ رہے تھے۔ رام داس نے کہا "اچھا تم جاؤ لیکن مجھے جلد اطلاع دینا۔"

رندھیر بھاگتا ہُوا مندر سے باہر نکلا وہ درخت سے اپنا گھوڑا کھول رہا تھا کہ لالو بھاگتا ہُوا آ گیا۔ اس نے پوچھا "آپ شہر جائیں گے؟"

"نہیں، میں کہیں اور جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر رندھیر گھوڑے پر سوار ہو گیا، لیکن لالو نے اس کی باگ پکڑ لی اور کہا "مجھے معلوم ہے کہ آپ شانتا کو دیکھنے کے لیے جا رہے ہیں لیکن وہ اپنے گھر پر نہیں۔ مجھے ساتھ لے چلیے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے؟"

"اچھا میرے پیچھے بیٹھ جاؤ! لیکن تم ہو کون؟ اور شانتا کو کیسے جانتے ہو؟ اور جب تم انگوٹھی لائے تھے وہ تمہیں کہاں سے ملی تھی؟"

لالو جواب دیے بغیر چھلانگ مار کر رندھیر کے پیچھے بیٹھ گیا اور جب گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگا تو اس نے کہا "میں آپ کو ایک خوشخبری سناؤں؟"

رندھیر نے جواب دیا "اس وقت مجھے کوئی خبر خوش نہیں کر سکتی۔ کہو کیا کہتے ہو؟"

لالو نے کہا "بات دراصل یہ ہے کہ شانتا بالکل تندرست ہے۔"

رندھیر کا دل خوشی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے مڑ کر لالو کی طرف دیکھا اور کہا "بھگوان کے لیے سچ سچ بتاؤ!"

لالو نے کہا "بات یہ ہے کہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔"

"لیکن تم وہاں گئے کب؟"

"میں وہیں رہتا ہوں۔"

"وہاں؟"

"ہاں۔"

"تو کیا تم شہر میں نہیں رہتے؟"

"نہیں۔"

"تم کھشتری نہیں؟"

"نہیں۔"

"تو تم کون ہو؟"

"پہلے آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے گھوڑے سے نیچے نہیں پھینک دیں گے؟"

"وہ کیوں؟"

"میں ایک شودر ہوں۔"

"شودر! لیکن تمہارا لباس تو۔۔۔۔؟"

"یہ سب آپ لوگوں کی دَیا ہے۔"

"مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا۔ تمہاری زبان بھی شہر کے لوگوں سے

ملتی ہے۔"

"اگر میں آپ کی طرح باتیں کرنا نہ سیکھتا تو اس قدر آزادی کے ساتھ آپ کے گھروں اور مندروں میں نہ پھر سکتا۔"

"تم بہت نڈر معلوم ہوتے ہو" یہ کہہ کر رندھیر نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ جھیل کے قریب پہنچ کر رندھیر کو مادھو بھاگتا ہوا نظر آیا۔ اس نے اس کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکتے ہوئے لالو سے کہا:

"دیکھو ابھی اسے بدھو کے متعلق نہ بتانا۔"

"بہت اچھا" لالو نے جواب دیا۔

اعتراف

غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے رام داس اور رندھیر اپنے مکان کے صحن میں برگد کے درخت کے نیچے ایک چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ رندھیر اسے اپنی سرگزشت سنا رہا تھا۔ جب وہ بچپن کی ابتدائی ملاقات سے لے کر جوانی کی آخری ملاقاتوں تک تمام واقعات بیان کر چکا تو رام داس نے کہا: "رندھیر! سچ کہو شانتا واقعی بہت خوب صورت ہے؟"

"پتاجی . . . . !" رندھیر نے شرما کر آنکھیں جھکا لیں۔

رام داس پھر بولا: "سکھدیو اور کنول کی بیٹی یقیناً خوبصورت ہوگی ــــ اچھا یہ بتاؤ کہ تم واقعی اس سے پریم کرتے ہو؟"

رندھیر نے جھجک کر آنکھیں اوپر اٹھائیں اور جواب دیا "پتاجی! . . . . . میں . . . . ہیں . . . . اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"تم جانتے ہو کہ تمہیں سکھدیو کی طرح تمام عمر کانٹوں پر چلنا پڑے گا۔ ان شہروں اور ان خوب صورت محلّات کے دروازے تم پر ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔"

"پتاجی! میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"رندھیر! اگر میں یہ کہوں کہ تم اس لڑکی کا خیال چھوڑ دو تو؟"

"پتاجی! پھر میں یہ کہوں گا کہ آپ اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیجیے۔"

"اب وہ کافی دُور جا چکے ہوں گے؟"

"ہاں پتاجی! میرا خیال ہے کہ وہ آدھا راستہ طے کر چکے ہوں گے۔"

"شانتا اب بالکل تندرست ہے نا؟"

"ہاں پتاجی! اس لڑکے نے جھوٹ بولا تھا۔"

"وہ تھا کون؟"

رندھیر نے اس سوال کے جواب میں لالو کے متعلق اپنی تازہ معلومات ظاہر کر دیں۔

رام داس نے کچھ سوچنے کے بعد سوال کیا: "رندھیر! تمہیں یقین ہے کہ موہنی مادھو سے پریم کرتی ہے؟"

"مجھے یقین ہے۔"

"اسے معلوم ہے کہ مادھو سکھدیو کا بیٹا ہے؟"

"نہیں۔ شاید اسے معلوم نہیں۔"

رام داس پھر سوچ میں پڑ گیا۔

موہنی بھاگتی ہوئی مکان میں داخل ہوئی اور رام داس کے قریب پہنچ کر اس نے کہا: "چچاجی! چچاجی!! انہیں بچائیے۔ پتاجی شہر کے بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر ان پر دھاوا بولنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ابھی وہ گھر پر ہیں۔ شہر کے تمام برہمن بھی ہمارے گھر جمع ہیں۔"

رام داس نے جان بوجھ کر بے پروائی سے جواب دیا "تو مَیں کیا کروں؟"

"چچا! آپ شہر کے سردار ہیں۔ پتاجی کو آپ منع کر سکتے ہیں۔ آپ نے اس کا بلیدان ہونے سے بچایا ہے۔ کیا اب اسے قتل ہوتا دیکھ کر خاموش رہیں گے؟"

"بیٹی! تمہیں اس کی فکر کیوں ہے۔ کرموں کا لکھا کون مٹا سکتا ہے؟"

موہنی، رام داس سے مایوس ہو کر رندھیر کی طرف متوجہ ہوئی۔ "رندھیر! تم ہی کچھ کرو۔ وہ اسے زندہ جلا دینا چاہتے ہیں۔ بھگوان کے لیے جاؤ۔"

رندھیر کے چہرے پر تشویش کی بجائے اطمینان کے آثار دیکھ کر موہنی نے کہا: "تو یہ سب کچھ دکھاوا تھا۔ تمہارے سینے میں بھی وہی دل ہے جو دوسرے لوگوں کے سینوں میں ہے۔ تم بُزدل ہو۔" ان الفاظ کے ساتھ موہنی کی آنکھوں سے آنسو نکلے۔ رام داس چبوترے سے اٹھ کر نیچے اُترا۔ اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا: "بیٹی! ایک شودر کے ساتھ اس قدر ہمدردی۔"

موہنی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "مجھے معلوم نہ تھا کہ پتا جی کی طرح آپ بھی ایک شودر کو انسان نہیں سمجھتے۔"

"بیٹی! مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اُس سے اس قدر پریم کرتی ہو۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔"

"میں صرف اس کی جان بچانا چاہتی ہوں۔ وہ بے گناہ ہے۔"

"اب اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ وہ اب بہت دُور ہو چکا ہے۔"

"بہت دُور کہاں؟"

"پہاڑوں میں۔"

"موہنی کے چہرے پر مسرت اور غم کی لہریں ایک دوسرے کا تعاقب کرنے لگیں۔ دل ایک بار دھڑکا اور بیٹھ گیا۔ آنکھوں کے چراغ ایک لمحہ کے لیے روشن ہوئے اور بجھ گئے۔ اس کے ہونٹوں سے درد کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی آواز نکلی تو آپ، آپ نے اسے جلاوطن کر دیا؟"

رام داس نے جواب دیا۔ اس کی جان بچانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسے کہیں دُور بھیج دیا جائے۔"

"دُور کس جگہ؟"

"بس کسی ایسی جگہ، جہاں شہر کا کوئی آدمی نہ پہنچ سکے۔"

موہنی کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہونے لگیں۔

رام داس نے کہا: "ہائیں! تم اب بھی رو رہی ہو۔ اب تو تمہارے غم کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔ وہ زندہ ہے اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ اس سے زیادہ تم کیا چاہتی ہو؟"

موہنی نے رام داس کو کوئی جواب دینے کی بجائے رندھیر کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا "کیا اس کی ماتا اور پتا بھی اس کے ساتھ ہیں؟"

رام داس نے رندھیر کو جواب دینے کا موقع نہ دیا اور کہا: "ہاں! وہ بھی اس کے ساتھ ہیں اور رندھیر بھی اس کے پیچھے جانے والا ہے۔ یہ اس لڑکی کے لیے ہمیں تیاگ چکا ہے۔"

موہنی نے بے اختیار رام داس کے پاؤں پر گرتے ہوئے کہا: "چچا! میں بھی رندھیر کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ میں اُس کے لیے تمام دنیا کو تیاگ سکتی ہوں میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

رام داس نے موہنی کا بازو پکڑ کر کہا لیکن تمہارا پتا، تمہاری ماتا، ان سب کو چھوڑ دو گی؟"

"مجھے کسی کی پروا نہیں" موہنی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"لیکن دنیا کیا کہے گی؟"

"مجھے دنیا کی بھی پروا نہیں۔ چچا! مجھ پر دیا کرو ورنہ میں کہیں ڈوب مروں گی یا کسی پہاڑی پر چڑھ کر چھلانگ لگا دوں گی۔"

"اچھا بیٹی! تم جیتیں۔ اب تیار ہو جاؤ۔ رندھیر رات کے وقت شہر سے

باہر اس ٹیلے کے قریب جس کی چوٹی پر پیپل کا درخت ہے تمہارا انتظار کرے گا
تم دونوں کے لیے گھوڑے وہاں موجود ہوں گے لیکن کسی کو خبر نہ ہو۔"
اظہارِ تشکر کے لیے موہنی کی زبان موزوں الفاظ تلاش نہ کر سکی۔ اس نے احسان مندانہ نگاہوں سے رام داس کی طرف دیکھا اور چپکے سے دو آنسو بہا دیے۔

---

(۲)

رات کے وقت رام داس دیر تک مکان کی چھت پر ٹہلنے کے بعد چارپائی پر لیٹ گیا۔ اس کے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ تھا۔ اسے اپنا وسیع مکان سُونا معلوم ہوتا تھا۔ آج سے دس برس پہلے رندھیر کی ماں کی وفات کے بعد اس کی زندگی کی تمام دلچسپیاں اپنے اکلوتے بیٹے پر مرکوز تھیں بچپن سے لے کر اب تک رندھیر کی مختلف تصویریں اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہی تھیں۔ وہ کم سن بچہ جو اس کی گود میں بیٹھ کر اپنے ننھے ہاتھوں سے اس کی مونچھیں پکڑ کر قہقہے لگایا کرتا تھا جو اس کی انگلی منہ میں لے کر اپنے چھوٹے چھوٹے دانتوں سے کاٹنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اسے درد کی بجائے راحت ہوتی۔ وہ ہونہار لڑکا جسے وہ شاہسواری۔ تیراندازی اور تیغ زنی کے کرتب سکھایا کرتا تھا۔ اور پھر وہ نوجوان جس کی ہر بات اسے دنیا بھر کے انسانوں سے نرالی نظر آتی تھی۔ رندھیر کی شکل میں بادشاہوں کا جلال اور دیوتاؤں کی پاکیزگی نظر آتی۔ دن میں کئی بار اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے "میرا بیٹا! میرا رندھیر!!"

رندھیر کی ماں موہنی کی ماں کی سہیلی تھی اور ارجن، رام داس کے بہترین دوستوں میں سے تھا اس لیے رندھیر کے ساتھ ارجن اور ساوتری کی دلچسپی ایک قدرتی

بات تھی۔ وہ رندھیر اور موہنی کے مستقبل کا فیصلہ اپنے دل میں ایک مدت سے کر چکا تھا لیکن تازہ واقعات کے غیر متوقع طوفان نے اس کی امیدوں کے چراغ بجھا دیے تھے۔ شانتا کے ساتھ رندھیر کی محبت کا انکشاف اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ پھر بھی اسے امید تھی کہ وہ اس کی ڈانٹ ڈپٹ سے سمجھ جائے گا لیکن مادھو اور شانتا کے باپ کا علم ہونے کے بعد اسے مایوسی کا آخری گھونٹ حلق سے اتارنا پڑا۔ سکھدیو کے ساتھ پرانی محبت نے اسے پھر ایک بار سماج کا باغی بنا دیا۔ وہ رندھیر اور موہنی کو رخصت کر چکا تھا۔

نوکر نے آج بھی حسبِ معمول رندھیر کا بستر اس کے قریب بچھا دیا تھا۔ رام داس نے لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر رندھیر کے خالی بستر سے تکیہ اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ وہ آنکھیں جو ایک مدت سے آنسوؤں سے ناآشنا تھیں پُرنم ہو گئیں اس نے درد بھری آواز میں کہا: "رندھیر! میرے بیٹے، تم آج جنگل میں کس طرح دن۔۔ ۔۔۔۔۔ گزارو گے تمہیں شاید پتھروں پر لیٹنا پڑے اور میں۔۔۔۔!"

رام داس یہ کہہ کر اٹھا اور پھر آہستہ آہستہ ٹہلنے لگا۔ قریباً آدھی رات کے وقت اس نے ایک نوکر کو آواز دے کر بلایا اور گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔ نوکر یہ حکم سن کر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہنے لگا "سرکار گھوڑا تیار ہے لیکن ارجن نیچے کھڑا آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

رام داس نے کہا: "اوپر لے آؤ" اور خود اپنی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

---

(۳)

ارجن نے اوپر آتے ہی کہا "مہاراج! موہنی رات ہوتے ہی گھر سے نکلی تھی

ابھی تک نہیں آئی۔ میں تمام شہر میں اسے تلاش کر چکا ہوں۔ رندھیر کہاں ہے؟"

رام داس نے جواب دیا "رندھیر یہاں نہیں ہے تم بیٹھ جاؤ!"

"نہیں، میں بہت پریشان ہوں۔ رندھیر کب سے گھر میں نہیں؟"

رام داس نے کہا: "ارجن! تم بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"

ارجن نے پوچھا: "تو موہنی کے متعلق آپ کو کوئی علم ہے؟"

"ہاں! بیٹھ جاؤ۔"

ارجن پریشان ہو کر بیٹھ گیا۔

رام داس نے کہا: "ارجن! تم سکھدیو کو بھولے تو نہیں ہو گے؟"

ارجن نے جواب دیا: "میں سکھدیو کو کیسے بھول سکتا ہوں لیکن اس بات کا موہنی سے کیا تعلق ہے؟"

رام داس نے جواب دیا: "ارجن! رندھیر اور موہنی ہمیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔"

ارجن اٹھ کر کھڑا ہو گیا "بھاگ گئے؟" اس نے بدحواس ہو کر پوچھا۔

"ہاں! بھاگ گئے۔ رندھیر، سکھدیو کی لڑکی کے پیچھے اور موہنی اس کے لڑکے کے پیچھے۔"

"سکھدیو کی لڑکی اور لڑکا، میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔ بھگوان کے لیے مجھے پریشان نہ کیجیے۔"

رام داس نے اٹھ کر ارجن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "ارجن! میں سچ کہتا ہوں۔"

ارجن نے کہا "لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا وہ اچھوت . . . ؟"

"ہاں وہ اچھوت سکھدیو کی لڑکی اور لڑکا تھے۔"

ارجن کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ بالآخر غضب ناک ہو کر بولا—

"نہیں! میں یہ نہیں مانتا۔ یہ جھوٹ ہے۔ وہ اچھوت ہیں۔ شہر کا ہر آدمی جانتا ہے کہ وہ اچھوت ہیں۔ تم اپنا دھرم چھوڑ چکے ہو اور اپنے بیٹے کو معاف کر سکتے ہو لیکن اگر موہنی اس بدمعاش کے ساتھ بھاگ گئی ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ ان دونوں کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ میں آس پاس کی بستیوں کے تمام اچھوتوں کو قتل کروا دوں گا۔ آج تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔ اس ذلیل شودر نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا اور تم اسے کالی دیوی کے مندر سے نکال لائے۔ مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟ میں اپنے تمام بستیوں میں تلاش کر چکا ہوں۔ بے شک تم سردار ہو لیکن میں بے غیرت نہیں۔ میں صبح ہونے سے پہلے پہلے تمام شہر کے لوگوں کو اکٹھا کر کے شودروں کی بستیوں پر حملہ کر دوں گا۔ تم سردار ہو۔ تمہارے پاس سپاہی ہیں لیکن تم اس طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔"

عام حالات میں رام داس ایسے الفاظ برداشت کرنے کا عادی نہ تھا لیکن ارجن کی باتیں سن کر غصہ پی گیا اور نہایت نرمی سے بولا۔

"ارجن! تم جانتے ہو میں ڈرنے والوں میں سے نہیں۔ میں بے گناہوں کو ظلم سے بچانے کے لیے خون کا آخری قطرہ تک بہا دوں گا۔ لیکن تم میری بات پر یقین کرو۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ سکھدیو کا بیٹا ہے۔ میں اس کا ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ سکھدیو کو قید سے چھڑانے میں تم میرے ساتھ تھے۔ اس نے باغیوں کے سردار کی لڑکی کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ سکھدیو مر چکا ہے لیکن اس کی بیوی اور بچے زندہ ہیں۔ وہ اس شہر کے نزدیک آ کر آباد ہو گئے۔ سماج نے ان کے لیے شہر کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر رکھے تھے لیکن بھگوان کے کھیل نیارے ہیں۔ اس نے رندھیر اور موہنی کو ان کی جھونپڑی کا راستہ بتا دیا۔"

ارجن کا غصہ آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا "لیکن آپ کو کیسے

یقین ہُوا کہ وہ سکھدیو کے بچّے ہیں؟"

رام داس نے جواب دیا "میں سکھدیو کی انگوٹھی اور وہ تلوار جو میں نے اسے قید سے نکال کر رخصت کرتے وقت دی تھی دیکھ چکا ہوں اور یہ تم بھی دیکھ چکے ہو کہ اس لڑکے کی شکل بالکل سکھدیو سے ملتی تھی۔"

ارجن نے کہا "پھر بھی میں موہنی کو قابلِ معافی نہیں سمجھتا۔ اس نے میرے منہ پر سیاہی تھوپی ہے۔ مجھے دنیا میں کہیں کا نہ چھوڑا۔ سکھدیو کا بیٹا ایک نیچ ذات عورت کے بطن سے پیدا ہُوا ہے۔ وہ چنڈال ہے۔"

رام داس نے کہا "ارجن! محبت اونچ نیچ نہیں دیکھتی۔ اس کا تعلق سماج سے نہیں۔ انسانیت سے ہے۔ تم ہی بتاؤ! ہمارے شہر میں اس لڑکے جیسی شکل وصورت کس کی ہے۔ تم کسی زمانے میں باغیوں کے سردار کی لڑکی کے ساتھ سُکھدیو کے عشق کو حق بجانب خیال کرتے تھے اور میری طرح یہ کہتے تھے کہ اُن دونوں کو بھگوان نے ایک دوسرے کے لیے بنایا ہے۔ میں آج بھی یہ کہتا ہوں کہ سکھدیو کے بیٹے اور تمہاری بیٹی کے ملاپ میں بھگوان کا ہاتھ ہے۔ وہ موہنی کے لیے سر کٹوانے کے لیے تیار تھا اور موہنی اس کے لیے دریا میں کُودنے اور پہاڑ سے چھلانگ لگانے کے لیے تیار تھی۔ مجھے تمہاری تکلیف کا احساس تھا لیکن جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ موہنی اس کے لیے سب کچھ ہار بیٹھی ہے۔ میں اُس کا راستہ نہیں روک سکا۔ مجھے موہنی کا اتنا ہی دکھ ہے جتنا کہ رندھیر کا۔"

ارجن نے کہا "لیکن دنیا کیا کہے گی؟"

"دنیا! میرے دوست۔ دنیا کی زبان آج تک کسی نے بند نہیں کی۔ تم دُنیا کو خوش کرنے کے لیے اپنے بچوّں کا بلیدان نہیں دیکھ سکتے۔"

"اور دھرم؟"

"ہم دھرم کی آڑ لے کر فطرت کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ انسانیت کا چہرہ مسخ کر رہے ہیں۔ ایک انسان کو دوسرے انسان سے نفرت اور حقارت کا سبق دے رہے ہیں۔ بھگوان کے بنائے ہوئے انسانوں کے درمیان اونچ اور نیچ کی دیواریں کھڑی کر رہے ہیں۔ ایسا دھرم نہ بھگوان کو خوش کر سکتا ہے اور نہ بھگوان کے بنائے ہوئے انسانوں کی بھلائی کر سکتا ہے۔"

ارجن تھوڑی دیر کے توقف کے بعد بولا "تم یہ باتیں اس لیے کر رہے ہو کہ رندھیر ایک مرد ہے تم اس کے گھر سے بھاگ نکلنے کے متعلق کئی بہانے تراش سکتے ہو۔ لیکن میں ایک لڑکی کا باپ ہوں۔ کل شہر کا ہر بچّہ اور بوڑھا مجھ سے موہنی کے متعلق پوچھے گا۔ میں انہیں کیا جواب دے سکوں گا؟"

رام داس نے کہا "فرض کرو اگر وہ مایوسی کی حالت میں دریا میں کود جاتی یا پہاڑ سے چھلانگ لگا دیتی تو تم پوچھنے والوں کو کیا جواب دیتے؟"

"رام داس! میری عزت بچاؤ! مجھے بتاؤ۔ وہ کہاں ہے؟ میں اسے سمجھا لوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس کی خطا معاف کر دوں گا۔"

"ارجن! میں صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ سکھدیو کے بیٹے کے ساتھ جا چکی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کا ارادہ تبدیل نہیں کر سکتی۔ ممکن ہے کہ اس کا دل تمہاری باتوں سے پسیج جائے اور وہ اپنی مرضی کے خلاف تمہارے ساتھ لَوٹ آئے لیکن دوبارہ تمہارے گھر آنے کے بعد وہ ایک جیتی جاگتی موہنی نہیں ہو گی۔ بلکہ ایک بے جان اور بے روح لاش ہو گی۔ میں جانتا ہوں کہ تم سماج کے قانون کی عزت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہو لیکن اپنے دل سے پوچھو جس میں سماج کے احترام سے زیادہ ایک باپ کی محبت کی دھڑکنیں ہیں ۔۔۔ کیا موہنی کا گُھل گُھل کر جان دینا تم برداشت کر سکو گے؟ ارجن! میری بات کا جواب دو۔ کیا شادی

سے پہلے تمہیں اسی قوم کی ایک لڑکی سے محبت نہ تھی؟ اگر وہ تمہاری محبت کو ٹھکرا کر اپنے باپ کے ساتھ پہاڑوں میں نہ چلی جاتی تو تم اس کے لیے سماج کے ہر قانون کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ کیا اب بھی تمہیں اس کا خیال کبھی کبھی پریشان نہیں کرتا۔ اگر وہ تمہارے ساتھ زندگی بسر کرنا منظور کر لیتی تو تم اچھوتوں کی جھونپڑیوں کو شہر کے محلات پر ترجیح دینے کے لیے تیار نہ تھے؟ یاد ہے میں تمہیں سمجھایا کرتا تھا اور تم مجھے اپنا دشمن خیال کرتے تھے کیا تم وہی ارجن ہو؟"

ارجن ایک زخم خوردہ انسان کی طرح نڈھال ہو کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے آج سے بیس سال قبل کے واقعات کی تصویریں گزر رہی تھیں وہ سہانی صبح جب اس نے ایک شودر لڑکی کو دریا پر نہاتے دیکھا تھا۔ وہ چاندنی رات جب وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہہ رہا تھا: سنتی! میں تمہارے لیے سب کچھ چھوڑنے کے لیے تیار ہوں اور اس کے جواب میں اس کے بھولے بھالے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ بیس برس کے بعد پھر ایک بار اس کے کانوں میں گونج رہے تھے:

"نہیں! نہیں!! مجھے معلوم نہ تھا کہ تم راجہ کے سپاہی ہو۔ تمہاری گردن پہ ہماری قوم کے سینکڑوں بے گناہوں کا خون ہے۔ تم ہمارے دشمن ہو۔ میں تم سے پریم کرنے کی بجائے مرجانا بہتر سمجھتی ہوں۔ مجھے تمہاری کسی بات پر اعتماد نہیں۔"

رام داس نے کہا "کیوں ارجن! میں غلط تو نہیں کہتا؟"

ارجن چونک کر رام داس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا "رام داس! مجھے شرمندہ نہ کرو۔ وہ جوانی نادانی تھی میں اس وقت بے وقوف تھا۔"

"نہیں! صرف تم ہی نہیں!! اس عمر میں ہر انسان بے وقوف ہوتا ہے۔

میں خود بھی اگر تمہاری یا سکھدیو کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔ اور اگر رندھیر کی ماں کھشتری ہونے کی بجائے کسی اچھوت کے گھر میں جنم لیتی تو میں بھی اس کے لیے سماج کے کسی قانون کی پروا نہ کرتا۔ تم اسے جوانی کی نادانی کہتے ہو لیکن میں اسے فطرت کے قانون کی پیروی سمجھتا ہوں۔ قدرت جب دو دلوں کو ملانا چاہتی ہے تو اونچ نیچ کی دیواریں توڑ دیتی ہے۔ قدرت نے کسی کو بڑا اور کسی کو چھوٹا نہیں بنایا۔ ہمارے سماج کا یہ قانون فطرت کے قانون کے خلاف ایک بغاوت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سماج سے بغاوت موہنی اور رندھیر کے لیے ایک عارضی اذیت ہوگی لیکن سماج کے خوف سے اگر وہ فطرت کے قانون کو ٹھکرا دیتے تو ان پر ایک دائمی عذاب مسلط رہتا۔"

ارجن نے لاجواب سا ہو کر کہا "رام داس! مجھے معاف کرنا۔ میرے منہ سے چند تلخ باتیں نکل گئیں لیکن موہنی کی جدائی اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے! اس کی ماں کا کیا حال ہوگا؟"

رام داس نے جواب دیا "ماں کو اپنے بچوں کی زندگی سے زیادہ کوئی شے عزیز نہیں ہوتی۔ موہنی کی ماں کے لیے اس سے بڑھ کر اچھی خبر اور کیا ہو سکتی ہے کہ موہنی زندہ ہے اور خوش ہے۔"

"لیکن اگر وہ اس سے ملنا چاہے تو پہاڑوں میں ہم اسے کہاں ڈھونڈ سکتے ہیں —؟"

رام داس نے جواب دیا "اس بات کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔"

"وہ اس وقت کہاں ہے؟"

"اس وقت تم گھر جا کر بہن ساوتری کو تسلی دو۔ میں چند دنوں تک تم دونوں کو اس کے پاس لے چلوں گا۔ اگر کوئی پوچھے تو کہہ دینا۔ موہنی دریا کے پار اپنے

رنانا کے پاس گئی ہے۔"

ارجن اٹھ کر نیچے اترنے لگا تو رام داس نے کہا۔ "ذرا ٹھہرو! میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔"

ارجن مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور رام داس بولا "میں صبح کہیں جا رہا ہوں۔ شاید دوپہر تک نہ آسکوں۔ شہر کے بعض لوگ ابھی تک شودروں کے خلاف مشتعل ہیں۔ میرے واپس آنے تک شودروں کی بستیوں کی حفاظت تمہارے ذمے ہے۔"

ارجن نے پوچھا "آپ کہاں جائیں گے؟"

رام داس نے جواب دیا۔ "ایک بوٹی کی تلاش کے لیے۔ میرے گھٹنوں میں پھر درد ہوتا ہے۔"

رام داس کا یہ جواب ارجن کی تسلی نہ کر سکا تاہم ساوتری کے خیال سے اس نے فوراً گھر پہنچنا ضروری سمجھا۔

ارجن کے جانے کے بعد رام داس نے محسوس کیا کہ اس کے دل سے ایک بھاری بوجھ اتر چکا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ نیچے اترا اور تلوار اور تیر و کمان سے مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

صبح امید

قریباً آدھی رات تک رندھیر اور موہنی دشوار گزار پہاڑی راستوں میں ادھر ادھر بھٹکتے رہے۔ بالآخر انہیں ایک جگہ آگ نظر آئی اور رندھیر نے کہا "بس اب ہم پہنچ گئے۔ لالو کہتا تھا میں آگ جلا کر رکھوں گا۔ بہت ہوشیار لڑکا ہے۔"

موہنی نے پوچھا "لالو کون ہے؟"

رندھیر نے کہا "وہ ایک عجیب لڑکا ہے۔ اس کا دل شیر کا ہے۔ آنکھیں عقاب کی اور جسم چیتے کا ہے اور تم تو عمر بھر اس کے احسان کا بدلہ نہ دے سکو گی۔ وہ ہم سے ایک لمحہ پہلے بھاگ کر پجاری کا ہاتھ نہ روکتا تو اس کا چھرا مادھو کی گردن کے قریب پہنچ چکا تھا۔"

"پھر بھی وہ ہے کون؟"

موہنی کے اس سوال کے جواب میں رندھیر نے تفصیل کے ساتھ لالو کے متعلق اپنی معلومات بیان کر دیں۔

موہنی نے کہا "میں اب سمجھی، پچھلے دنوں پتا جی چھت پر چادر تان کر سو رہے تھے۔ صبح کے وقت اٹھے تو ان کا جوتا اور چادر غائب تھے۔ شاید یہ اسی کا کام ہو۔"

اچانک ایک طرف سے آواز آئی "دیوی! وہ چادر اس وقت بھی میرے پاس ہے لیکن جوتا میرے کسی کام نہیں آیا۔ تمہارے پتا کے پاؤں بہت بڑے ہیں۔"

رندھیر اور موہنی نے گھوڑے روک لیے اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ

کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ رندھیر نے کہا: "کون! لالو؟"

لالو نے قہقہہ لگاتے ہوئے آگے بڑھ کر رندھیر کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور بولا: "کیوں جی آپ کہتے تھے آپ کو تمام راستے معلوم ہیں اگر میں آگ نہ جلاتا تو کیا بنتا ــــ اب یہاں اتر جائیے! آگے ڈھلان ذرا خطرناک ہے۔"

وہ دونوں نیچے اتر پڑے اور رندھیر نے موہنی کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور لالو سے پوچھا: "راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

لالو نے جواب دیا: "راستے میں تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی لیکن میں نے یہاں پہنچ کر بدھو کے متعلق بتا دیا تھا۔ مادھو، اس کی ماں اور شانتا اب تک رو رہے ہیں۔"

---

(۲)

بوڑھا تھکاوٹ سے چور ہونے کی وجہ سے جلد ہی سو گیا تھا۔ لالو اب مویشیوں کے گرد پہرا دے رہا تھا۔ کنول، رندھیر، موہنی، مادھو اور شانتا دیر تک بدھو کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ کنول بار بار اس کی محبت، ایثار اور وفا کے واقعات بیان کر کے رو پڑتی اور رندھیر اسے بار بار تسلی دیتا۔ موہنی حیا کی وجہ سے زیادہ تر خاموش رہی۔ مادھو کے لیے اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ اگر بدھو کی موت کا غم نہ ہوتا تو نہ معلوم موہنی کی آمد کا اس کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوتا۔ تاہم وہ بار بار اپنے دل سے یہ سوال کر رہا تھا کیا یہ ممکن ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ کیا یہ ایک خواب تو نہیں ہے؟

ان سب کے لیے بے آرامی کی یہ دوسری رات تھی۔ شانتا پچھلے پہر ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئی۔ موہنی بھی اونگھ رہی تھی اسے نیند کے خلاف جنگ کرتے ہوئے دیکھ کر کنول نے اس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر کہا: "بیٹی سو جاؤ۔"

علی الصباح جب موہنی کی آنکھ کھلی تو کنول جھک جھک کر اسے چوم رہی تھی موہنی بانہیں پھیلا کر کنول کے ساتھ چمٹ گئی۔

"ماتا!"

"بیٹی!"

موہنی نے اظہارِ تشکر کے لیے دو آنسو بہا دیئے۔

رندھیر چشمے کے کنارے بیٹھا منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔ شانتا بکری کے دودھ کا ایک پیالہ لے کر اس کے پاس پہنچی اور خاموش کھڑی ہو گئی۔ رندھیر اس کی موجودگی سے باخبر تھا لیکن وہ جان بوجھ کر دیر تک دوسری طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر شانتا نے کہا: "لیجئے۔"

رندھیر نے ایک شرارت آمیز تبسم کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ شانتا مسکرائی اور رندھیر کو کائنات کے مغموم چہرے پر ایک دلفریب تبسم نظر آنے لگا۔

اس نے کہا: "پہلے موہنی کو پلا آؤ۔"

شانتا نے جواب دیا: "اسے ماتا نے اس وقت پلا دیا تھا جب آپ سو رہے تھے۔"

رندھیر نے پیالہ لے کر منہ سے لگا لیا۔ دودھ میں اس کے لیے آج ایک نئی مٹھاس، ایک نئی لذت تھی۔

---

(۳)

تھوڑی دیر بعد رام داس آ پہنچا۔ لالو نے بھاگ کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ موہنی اور رندھیر نے آگے بڑھ کر اس کے پاؤں چھوئے اور ان کی دیکھا دیکھی

مادھو اور شانتا بھی اس کے پاؤں چھونے کے لیے آگے بڑھے۔ رام داس نے شانتا کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کنول کی طرف دیکھا اور کہا: "بہن! مجھے پہچانتی ہو؟"

کنول نے اُس کی طرف احسان مندانہ نگاہوں سے دیکھا اور جواب دیا "بھلا میں آپ کو کیسے بھول سکتی تھی؟"

دونوں کچھ دیر خاموش کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر رام داس بولا "بہن! یہ جگہ آپ کے لیے محفوظ نہیں۔ آپ کو فوراً یہاں سے دور چلے جانا چاہیئے۔ اس اونچے پہاڑ کے دامن میں آپ کی قوم کے بہت سے لوگ آباد ہیں۔ کل تک آپ وہاں پہنچ جائیں گی۔ شاید راستے سے آپ واقف نہ ہوں لیکن اس پہاڑی کے پیچھے آپ کو کوئی نہ کوئی چرواہا یا شکاری ضرور مل جائیگا۔"

کنول نے جواب دیا "میں اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہوں اور مجھ سے زیادہ تیجو اور لالو ان راستوں کو جانتے ہیں۔"

تیجو ہاتھ باندھے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ رام داس نے اُس کی طرف دیکھ کر سوال کیا: "تم ان کے ساتھ جا رہے ہو؟"

"جی مہاراج!" اس نے جواب دیا۔

"بہت اچھا! اب دیر نہ لگاؤ۔ میں تھوڑی دور تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

لالو، رام داس کے گھوڑے کی باگ مادھو کے ہاتھ میں دے کر تیجو کے ساتھ بھیڑیں اور بکریاں ہانکنے لگا۔ رام داس نے مادھو کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور رندھیر اور مادھو کو دوسرے دو گھوڑے جو قریب ہی ایک جھاڑی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے، کھول لانے کے لیے کہا۔ جب وہ گھوڑے لے آئے تو وہ موہنی اور شانتا کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم دونوں گھوڑوں

پر سوار ہو جاؤ۔"

شانتا اور موہنی پاسِ ادب سے ہچکچائیں لیکن رام داس کے اصرار پر رندھیر نے موہنی اور مادھو نے شانتا کو گھوڑوں پر بٹھا دیا۔

رام داس نے کنول سے کہا "بہن! تم میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔"

کنول نے جواب دیا "نہیں! میں پیدل چلوں گی۔"

رام داس نے کہا "نہیں بہن! چڑھائی پر آپ کو تکلیف ہو گی۔ ہمیں دیر نہیں لگانی چاہیئے۔"

رندھیر نے رام داس کی تائید کی اور کنول مجبور ہو کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ رام داس، رندھیر اور مادھو، کنول، شانتا اور موہنی کے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر ایک تنگ اور دشوار گزار گھاٹی پر چڑھنے لگے۔

رام داس نے راستے میں کنول سے سکھدیو کے متعلق پوچھا اور وہ اُس کی قید سے رہا ہونے کے بعد اس کی موت تک واقعات بیان کرنے لگی۔ جب بدھو کا ذکر آیا تو وہ بے اختیار رو پڑی۔ تمام داستان سننے کے بعد رام داس نے کہا "بہن! افسوس ہے تم اتنی دیر سے یہاں تھیں اور مجھے خبر نہ ہوئی۔ مجھے بدھو کی موت کا دکھ ہے اب اس کی جگہ رندھیر اور موہنی آپ کو سونپ رہا ہوں۔"

رام داس نے مڑ کر موہنی کی طرف دیکھا۔ وہ سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔

---

(۴)

دوپہر کے قریب یہ لوگ پہاڑی عبور کر کے ایک سرسبز وادی میں داخل ہوئے اور ایک جگہ رک کر تیجو اور لالو کا انتظار کرنے لگے۔ نیلگوں آسمان پر آہستہ آہستہ بادل

چھا رہے تھے۔ موہنی کے چہرے سے اس کی دل کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے رام داس نے اس کے قریب جا کر کہا "بیٹی! میں تمہیں ایک خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔ تمہارا پتا رات میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس کی تسلی کر دی ہے وہ اب تم سے خفا نہیں۔ اسے معلوم نہ تھا کہ مادھو سکھدیو کا بیٹا ہے۔ میں نے اس سے عہد کیا ہے کہ بہت جلد اسے اور تمہاری ماتا کو تمہارے پاس لاؤں گا۔"

اس کے بعد وہ رندھیر سے مخاطب ہوا "بیٹا! مجھے چند دن تک اپنے نئے گھر کا پتہ دینا۔"

رندھیر نے مغموم لہجے میں کہا "پتاجی! آپ ہمارے ساتھ کیوں نہیں چلتے؟"

کنول بولی "ہاں بھیا! چلو ہمارے ساتھ۔"

موہنی نے کہا "چلو چچا!"

مادھو نے کہا "ہاں چلیے! وہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

شانتا اب تک خاموش تھی۔ رام داس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن بیٹی شانتا شاید مجھے ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتی وہ ابھی تک خاموش ہے۔"

شانتا نے بدحواس ہو کر سب کی طرف دیکھا اور کہنے لگی "پتاجی! اگر آپ میرا کہا مان لیں تو میں ایک بار نہیں ہزار بار کہتی ہوں کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔"

رام داس نے شفقت آمیز لہجے میں کہا "بیٹی! میں تمہاری کسی خواہش کو رد نہیں کر سکتا۔ میں بہت جلد تمہارے پاس آؤں گا۔ وہ جھونپڑی جس میں تم اور رندھیر رہو گے، مجھے شہر کے محلات سے کہیں زیادہ عزیز ہوگی لیکن اس وقت میرے فرائض مجھے شہر چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتے۔ میں وہاں رہ کر ہزاروں مظلوم لوگوں کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ اگر میں آج شہر چھوڑ دوں تو ممکن ہے کہ میری جگہ پھر کوئی گنگارام جیسا آدمی شہر کا سردار بنایا جائے اور اچھوتوں کے بلیدان کے لیے

کالی دیوی کے مندر کے دروازے پھر کھل جائیں۔ جب تک مجھے یہ اطمینان نہیں ہوتا کہ میری جگہ لینے والا کوئی رحم دل انسان ہے میں وہاں رہ کر ان لوگوں کی حفاظت کرتا رہوں گا۔"

رندھیر نے کہا "لیکن پتاجی ان واقعات کے بعد برہمن راجہ کے پاس جا کر آپ کی شکایت ضرور کریں گے اور ممکن ہے کہ راجہ آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرے۔ بے شک وہ آپ کی بہت عزت کرتا ہے لیکن مجھے امید نہیں کہ وہ یہ سب باتیں برداشت کرے گا۔"

رام داس نے جواب دیا "راجہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی ریاست کے ایک حصے سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے اسے یقین ہے کہ میرے سوا کوئی اور سردار ان لوگوں کو پر امن رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اب ان لوگوں میں بغاوت کی روح باقی نہیں رہی۔ پھر بھی گزشتہ لڑائیوں میں ناکامیوں کا اس کے دل پر گہرا اثر ہے۔ وہ دل ہی دل میں آج تک ان برہمنوں سے نفرت کرتا ہے۔ جنہوں نے اسے سکھدیو کے خلاف بھڑکایا تھا۔ پہلے ان لوگوں کے ساتھ میری رواداری مصلحتوں کی بنا پر تھی۔ اب میں ان کے ساتھ ہمدردی کرنا اپنا دھرم سمجھتا ہوں۔ میری رواداری ان کے لیے ایک خواب آور نشہ تھی۔ میری ہمدردی انہیں اب خواب سے بیدار کرنا چاہتی ہے۔"

رام داس نے مادھو کی طرف دیکھا اور کہا:

"مادھو! میں تمہارے متعلق بہت مایوس ہوا ہوں۔ سپنوں سے دل بہلانے والا انسان نہ اپنے لیے مفید ہو سکتا ہے نہ دوسروں کے لیے۔ سماج کو غلط قسم کے قوانین کی تبدیلی پر مجبور کرنے کے لیے خوشامد سے کام نہ چلے گا۔ یہ دنیا ایک شاہراہ ہے جس پر مختلف قوموں کے قافلے

ان گزر چکے ہیں اور گزرتے رہیں گے۔ اس شاہراہ پر ہر قوم کو قدم قدم پر خوفناک گڑھوں، بھیانک تاریکیوں اور مہیب طوفانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس شاہراہ پر دوڑنے والے ہر قافلے کی یہ خواہش رہی ہے کہ وہ کسی سے پیچھے نہ رہے۔ لیکن تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ قدرت کامیابی کا سہرا صرف اُن کے سر باندھتی ہے جن کا عزم ان گڑھوں کو دیکھ کر متزلزل نہیں ہوتا، جو انتہائی پامردی کے ساتھ تاریکیوں اور طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو قافلے ان گڑھوں کو دیکھ کر ڈگمگائے جو طوفانوں اور تاریکیوں میں سہم کر رہ گئے۔ قدرت کا ہاتھ ان کی اعانت کے لیے نہ اٹھا۔ تیز رفتار قافلوں نے انہیں سہارا دے کر اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ اپنا بوجھ ان پر لاد دیا۔ وہ گرے اور پیچھے آنے والوں کے پاؤں تلے پس کر رہ گئے۔ تاریخ کے صفحات پر صرف چند ترقی یافتہ قوموں کی داستانیں نقش ہیں لیکن آج تک پستی کے گڑھوں میں گرنے اور تاریکیوں میں بھٹک کر دم توڑنے والے انسانوں کو کسی نے توجہ کا مستحق نہیں سمجھا۔ وہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

وہ لوگ جو اس شاہراہ کی خوفناک کھائیوں کو اپنی لاشوں سے پاٹتے ہیں جو تند اور تیز طوفانوں کے مقابلے میں متزلزل نہ ہونے والی چٹانیں بن کر نکلتے ہیں جو حوصلہ شکن تاریکیوں میں ایمان و عمل کی مشعل روشن کرتے ہیں دنیا میں کامرانی اور کامیابی اُن کے پاؤں چومتی ہے۔ یہ شاہراہ کہیں بے آب و گیاہ صحراؤں اور کہیں سرسبز و شاداب نخلستانوں میں سے گزرتی ہے۔ جنہوں نے صحرا کی کلفتوں سے اکتا کر نخلستانوں میں سستانے کی کوشش کی۔ وہ اونگھتے اونگھتے سو گئے اور وہ جو ان سے بہت پیچھے تھے بہت آگے نکل گئے اور جاتے جاتے انہیں جگانے کی بجائے غلامی کی آہنی زنجیروں میں جکڑ گئے اور پھر ان کی یہ خواہش کہ انہیں ہمیشہ کے لیے غلام رکھا جائے، محکوموں کے لیے قانون بن گئی۔

جن لوگوں میں تم نے زندگی کے چند سال گزارے ہیں وہ نئے نئے غلام ہوئے ہیں اور ان میں ابھی آزادی کی تھوڑی سی رمق باقی ہے لیکن تم اُن اچھوتوں کو نہیں جانتے جو برسوں سے غلام چلے آتے ہیں۔ وہ طاقتور کی لاٹھی کے اشارے کو بھگوان کا قانون سمجھتے ہیں۔ اگر تم انہیں جا کر یہ کہو کہ تم میں اور تمہارے اونچی ذات کے آقاؤں میں کوئی فرق نہیں تو وہ حیرت سے تمہارا منہ دیکھیں گے۔ اگر تم اُن سے یہ کہو کہ آزادی تمہارا پیدائشی حق ہے تو وہ تمہیں دیوانہ کہیں گے اور اگر تم یہ کہو کہ بھگوان کی نظر میں اونچ اور نیچ ایک سا درجہ رکھتے ہیں تو وہ تمہیں پاپی سمجھیں گے۔ حکمرانوں کی سماج کا قانون ان کے لیے دھرم بن چکا ہے اور وہ آزادی کی ہر جدوجہد کو دھرم کے خلاف اعلانِ جنگ سمجھتے ہیں اور جب کسی جماعت کے انسانوں میں کمتری کا احساس دھرم کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی اصلاح بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ تاہم میں تمہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بعض قومیں عروج کی آخری بلندی سے گر کر پستی کی انتہائی گہرائی تک پہنچ گئیں اور بعض پستی کی آخری گہرائی سے اٹھیں اور بلندی کے آخری زینے تک پہنچ گئیں لیکن یاد رکھو!

تم ان لوگوں میں سے نہیں جو گری ہوئی قوم کو اٹھاتے ہیں جو گرے ہوؤں کو اپنی لاشوں سے پاٹ کر ہموار کرتے ہیں جو طاقتور سے اپنا کھویا ہوا حق واپس لینے کے لیے سینہ سپر ہونا جانتے ہیں۔ اونچی ذات والوں سے تمہاری جنگ اس لیے نہیں کہ انہوں نے انسانیت کے تمام حقوق تم سے چھین لیے ہیں۔ نہیں! تم صرف اپنے طاقتور آقاؤں سے چند مراعات چاہتے ہو، اور وہ یہ کہ وہ تمہارے لیے اپنے مندروں کے دروازے کھول دیں، تمہیں اپنے کنوؤں سے پانی پینے دیں۔ اپنے شہروں میں داخل ہونے دیں اور اپنی مورتیوں کی پوجا کرنے دیں۔

تمہاری مثال اس آدمی کی سی ہے جس کے گھر پر ڈاکو قبضہ کر لیں اور اسے زنجیروں میں کس کر ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پھینک دیں اور وہ طاقت ور لٹیروں سے مرعوب ہو کر صرف یہ کہے کہ یہ زنجیر مجھے چبھتی ہے اس لیے ذرا ڈھیلی کر دو۔ تنگ و تاریک کوٹھڑی میں میرا دم گھٹتا ہے اس لیے اس کا ایک روزن کھول دو۔ تاریکی میں میرا جی گھبراتا ہے اس لیے میری کوٹھڑی میں ایک چراغ روشن کر دو۔ جب تم میرے مکان کے کشادہ کمروں میں بیٹھ کر گاتے ہو تو میرا بھی جی چاہتا ہے اس لیے مجھے بھی گلا پھاڑنے کی اجازت دے دو۔ وہ صرف چند ٹکڑوں کی بھیک مانگتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ یہ تمام خزانہ اس کا تھا اور پھر جو ملتا ہے اسے اپنے لیے ایک بہت بڑا انعام سمجھتا ہے اور جو نہیں ملتا اس کے متعلق یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اس کا حق ہی نہ تھا۔ غلامی، بے بسی اور مجبوری اس کے لیے دھرم بن جاتی ہے۔ اور طاقت ور لٹیرا اسے انسان نہیں دیوتا نظر آتا ہے۔

فرض کرو اگر سماج تمہارے لیے اپنے مندروں کے دروازے کھول دے تمہیں اپنے کنوؤں سے پانی پینے، اپنے شہروں میں داخل ہونے اور اپنی مورتیوں کی پوجا کرنے کی اجازت دے دے تو کیا تمہاری مثال اس شخص سے مختلف ہوگی جس کے گھر پر قبضہ کرنے والے اس کی التجاؤں پر اس کی تاریک کوٹھڑی کا روزن کھول دیں یا اس کے سامنے ایک چراغ رکھ دیں۔

کیا یہ مراعات حاصل کرنے کے بعد تم سماج والوں کی برابری کا دعویٰ کر سکو گے؟ ہرگز نہیں۔ دو انسان ایک ہی کنوئیں کا پانی پینے ایک ہی مورتی کی پوجا کرنے اور ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود آقا اور غلام ہو سکتے ہیں؟ اس دنیا میں طاقت ور کا ہاتھ ہمیشہ کمزور کے اوپر رہے گا۔ کمزور طاقت ور کے برابر بیٹھ کر بھی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ طاقت، کمزور کی جھونپڑی کو گرا کر محل تعمیر کرتی ہے طاقت ور کی خواہش کمزور کے لیے قانون اور قانون سے دھرم بن جاتی ہے۔

مادھو! اگری ہوئی قوم کو اٹھانے کا کام بہت کٹھن ہے تمہارا باپ ایک بہادر آدمی تھا اس کے ارادے بہت بلند تھے اور میں سمجھتا تھا کہ قدرت نے اسے ایک گری ہوئی قوم کو اٹھانے کے لیے منتخب کیا ہے۔ وہ اس ملک میں ایک بہت بڑا انقلاب لائیگا لیکن وہ حوادث کے سمندر میں فقط ایک بار غوطہ لگانے کے بعد ہمیشہ کے لیے کنارے پر بیٹھ گیا۔ وہ ان لوگوں کو جگانے کے لیے آیا تھا لیکن خود سو گیا۔ تاہم اس کے دل میں صداقت کے لیے

ایک تڑپ تھی۔ اُس نے ظلم برداشت کیا لیکن ظلم کا ساتھ نہ دیا۔ اس نے مظلوموں کے ساتھ محبت کی لیکن اس کی محبت اسے مظلوموں کی دادرسی کے لیے سینہ سپر ہونے پر آمادہ نہ کر سکی۔

اگر بہن کنول برا نہ مانے تو میں یہ کہوں گا کہ اُس کے ذہنی انقلاب کا باعث یہ تھی اور اسی طرح تمہارا انتہائے مقصود موہنی ہے۔ تم اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے۔ تم اس جگہ جا بسے ہو جہاں آزاد لوگ بستے ہیں۔ وہاں موہنی کے ساتھ تمہیں شہروں اور مندروں کا خیال نہ ستائے گا۔ تم یہ سب کچھ بھول جاؤ گے۔ تمہیں مورتیاں بنانے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ لیکن اپنے دل کو یہ فریب نہ دینا کہ تم آزاد ہو اور آزاد رہو گے۔ تم بھی ان لوگوں میں جا کر سو جاؤ گے۔ اور سونے والے زیادہ دیر امن کی نیند نہیں سوتے۔ اس وادی سے کوئی گنگارام پھر اُٹھے گا اور بے فکری کی نیند سونے والے چرواہوں کو غلامی کی زنجیریں پہنا دے گا۔"

رام داس کی تقریر کے دوران مادھو کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گئے۔ اُسے اس بات کا اعتراف تھا کہ موہنی اس کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی اور وہ موہنی کے لیے زندگی کی ہر دلچسپی قربان کرنے کے لیے تیار تھا لیکن وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ اپنی کشتی کنارے آ لگنے کے بعد وہ منجدھار میں ڈوبنے والوں کی چیخ پکار سے کان بند کر لے گا۔ وہ ایک تھکے ہوئے مسافر کی طرح کسی ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے کے کنارے تھوڑی دیر سستانے کے بعد تازہ دم ہو کر صحرا میں بھٹکنے والے مسافروں کی راہنمائی کی تدبیریں سوچنا چاہتا تھا۔ ٹھنڈا اور میٹھا چشمہ موہنی تھی۔ جس کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے اس نے

صحراؤں میں کئی پیاسے انسانوں کو دم توڑتے دیکھا تھا۔ موہنی کی محبت کو ایک خواب آور نشہ سمجھ کر سو جانے کی بجائے وہ اسے شاہراہِ حیات کی بلند منازل کی طرف قدم اٹھانے کے لیے زادِ راہ بنانا چاہتا تھا۔ موہنی کا سہارا لے کر وہ طوفانوں سے لڑ سکتا تھا۔ موہنی کو مشعل بنا کر وہ اپنے راستے کے تاریک گڑھوں میں پاؤں رکھ سکتا تھا۔

تاہم رام داس کی تقریر کے بعد وہ اپنے دل میں ایک نیا اضطراب اور ایک نئی کشمکش محسوس کرتا تھا۔ وہ اپنے دل سے کُرید کُرید کر پوچھ رہا تھا: "کیا گرے ہوئے انسانوں کو فقط ایک نڈر اور مستقل مزاج راہنما کی ضرورت ہے؟ کیا دنیا کے تمام مسائل کا علاج فقط طاقت ہی ہے؟ کیا کمزور، طاقت ور ہو کر عام طور پر ظالم نہیں بن جاتا؟ کیا اس شاہراہ میں آگے بڑھنے والے طاقت ور انسانوں کا یہ حق ہے کہ وہ کمزور انسانوں پر اپنا بوجھ لاد دیں۔ انہیں دھکیل کر ذلّت اور غلامی کے گڑھوں میں پھینک دیں؟ کیا طاقت ور کی بادشاہت کمزور کی غلامی کا باعث نہیں ہوتی؟"

کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد مادھو نے رام داس کی طرف دیکھا اور کہا: "آپ نے مجھے غلط سمجھا۔ میں بُزدل نہیں۔ مجھ سے یہ بھی ممکن نہیں کہ میں اپنی زندگی کا آرام ڈھونڈ کر دوسروں سے بے پروا ہو جاؤں۔ لیکن گرے ہوئے انسانوں کو اٹھانے کے متعلق میرے خیالات آپ سے بہت مختلف ہیں میں طاقت ور کا یہ حق تسلیم نہیں کرتا کہ وہ کمزور کو پیس ڈالے۔ میں دنیا میں طاقت کا قانون نہیں، انصاف کا قانون چاہتا ہوں۔ طاقت کا قانون انسانوں کو ذہنی طور پر درندہ بنا دیتا ہے اور اس دنیا میں ایک ایسی جنگ کا بیج بوتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ظالم کمزور ہو کر مظلوم اور مظلوم طاقت ور ہو کر ظالم بنتے رہیں گے۔ غلام، آقا اور آقا

غلام بنتے رہیں گے۔ میں اس دنیا میں نہ کمزور کی غلامی چاہتا ہوں اور نہ طاقتور کی بادشاہت۔ میں طاقت کے لیے نہیں انصاف کے لیے لڑنا چاہتا ہوں اور دنیا میں انصاف کا قانون وہ ہوگا۔ جو آقا اور غلام کے وجود سے منکر ہو، جس میں چھوت اور اچھوت کا امتیاز نہ ہو۔ جو انسان کو انسان کے احترام پر مجبور کرے جس کا خوف ایک طاقت ور کو کمزور کے گھر پر قبضہ کرنے سے باز رکھ سکے۔"

رام داس نے کہا "بیٹا! یہ صرف تمہارے سپنے ہیں۔ دنیا کے کسی ملک میں ایسا قانون نہیں اور اگر کوئی ایسا قانون لے کر آیا بھی تو دنیا کے تمام سرکش انسان اس کے مقابلے کے لیے متحد ہو جائیں گے۔ دنیا میں بلند و پست کو ایک سطح پر لا کر کھڑا کرنا ایک ایسا کام نہیں جو صرف باتوں سے ہو سکے۔"

مادھو نے جواب دیا: "دنیا میں کسی شے کے نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی ضرورت سے انکار کیا جائے۔ غاروں میں رہنے والے انسانوں نے جھونپڑیاں بنانے کی ضرورت محسوس کی۔ جھونپڑیاں، تند ہواؤں اور تیز بارشوں میں کام نہیں دیتیں، تو وہ مٹی اور پتھر کے مکان بنانے پر مجبور ہوئے۔ امن دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ طاقت کے قانون کے ماتحت نہ ختم ہونے والی جنگیں انسان کو کسی ایسے قانون کا جویا بنا دیں گی۔ میں مانتا ہوں کہ ایسے قانون کی احتیاج زیادہ تر انسانوں کا مظلوم طبقہ محسوس کرے گا اور کمزوروں کی ہڈیوں پر اپنے محل تعمیر کرنے والے اس کے مقابلے کے لیے اٹھیں گے لیکن صداقت کا لوہا

نو کاٹے گا۔ ایسے قانون کی فتح ہوگی۔ اس قانون کے علمبردار کسی ایسے بھگوان کا تخیل پیش کریں گے جو سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہو۔ وہ ایسے مندر تعمیر کریں گے جن کے دروازے چھوت اور اچھوت کے لیے یکساں طور پر کھلے ہوں۔ وہ دن دور نہیں جب انسان ذات سے نہیں بلکہ اعمال سے

پہچانا جائے گا۔ طاقت کی لاٹھی نیکی کی تلوار کے سامنے جھک جائے گی۔ دنیا کی یہ جنگ ظلم کے خلاف نیکی کی جنگ ہوگی۔ اور میں اگر زندہ رہا تو اس جنگ میں ایک سپاہی بن کر شریک ہوں گا اور پھر دنیا دیکھے گی کہ میں بزدل نہیں۔"

رام داس نے کہا: "بھگوان کرے وہ وقت جلد آئے اور میں بھی تمہارا ساتھ دے سکوں لیکن اگر کوئی ایسے قانون کا جھنڈا بلند کرنے نہ آیا تو —؟"

مادھو نے مغموم لہجے میں جواب دیا: "جس کے ہاتھ میں رات کے وقت چلنے کے لیے مشعل نہ ہو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ صبح کا انتظار کرے۔ میں انتظار کرتا رہوں گا۔"

رام داس نے مسکراتے ہوئے کہا: "جب تک صبح نہ ہو شہر اور مندروں کا رُخ نہ کرنا۔ تم اندھیرے میں بہت کچھ کھو چکے ہو۔"

کنول بولی: "میں اب اس کی رکھوالی کروں گی۔"

کنول کو اس موقعہ پر بدھو کا خیال آیا اور اس کی مسکراہٹ اچانک پژمردگی میں تبدیل ہو گئی۔

رام داس نے رندھیر کی طرف دیکھا: "اچھا اب مجھے دیر ہو رہی ہے۔ بیٹا! بہن کنول کو اپنی ماں سمجھنا۔ شانتا کو کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔ مادھو کو اپنا بڑا بھائی سمجھنا اور مادھو تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ موہنی کو کوئی تکلیف نہ ہو اور بہن کنول! ان کی شادی کی رسوم کے لیے ہماری سماج کا کوئی پروہت رضامند نہیں ہوگا۔ میں یہ چاہتا بھی نہیں کہ انہیں اس بات کا علم ہو پندرہ دن تک رندھیر کو میرے پاس بھیج دینا۔ میں اُس کے ساتھ آجاؤں گا۔ اور موہنی! تمہارے پتا کو بھی لیتا آؤں گا۔"

موہنی اور شانتا کے چہروں پر حیا کی سُرخی دوڑ رہی تھی۔ رندھیر اور مادھو

کے دل میں مسرّت کا ایک طوفان لہریں لے رہا تھا۔ کنول کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے۔

رخصت ہوتے وقت رام داس نے اپنا گھوڑا کنول کو دے کر پیدل لوٹنا چاہا لیکن کنول نے رام داس کی تکلیف کے احساس سے گدھے کی سواری کو ترجیح دی اور اسے مجبوراً اپنا گھوڑا لینا پڑا۔

---

(۵)

بادلوں کے قافلے مشرق کے اونچے پہاڑوں سے اٹھ اٹھ کر مغرب کے وسیع میدانوں کا رُخ کر رہے تھے۔ رام داس نے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر گھوڑا روکا اور مڑ کر نیچے دیکھنے لگا۔ کنول اور اُس کے ساتھی وادی سے گزر کر ایک بل کھاتی ہوئی پگ ڈنڈی کے راستے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ رام داس دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔ جب یہ قافلہ پہاڑی کی اوٹ میں چھپ گیا۔ اس نے گھوڑے کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی اور آہستہ آہستہ پہاڑ سے نیچے اترنے لگا۔

خیالات کے ہجوم نے رام داس کو اپنے گرد و پیش سے بے خبر کر دیا۔ وہ تصور میں کسی اونچے پہاڑ کے دامن میں جہاں جگہ جگہ آبشار تھے۔ کسی جھیل کے کنارے دیودار اور چیڑ کے بلند درختوں کے درمیان ایک چھوٹی سی جھونپڑی دیکھ رہا تھا وہ جھونپڑی جس میں اس کا بیٹا اور بہو رہتے تھے وہ ان دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ شانتا ایک ننھے سے خوبصورت بچّے کو اپنی گود سے اٹھا کر اس کی گود میں ڈال کر یہ کہہ رہی تھی۔

"جاؤ اپنے بابا کے پاس اب تم بہت شریر ہو" اور وہ بچہ اپنے نازک ہاتھوں

سے اس کی مونچھیں پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا اس کی انگلی پکڑ کر اپنے منہ میں ڈال رہا تھا اور وہ اُس کے ہاتھ اور پاؤں چوم رہا تھا۔

(نسیم حجازی)

کوئٹہ۔

سلطان احمد خوش نویس، گجرات۔ ۶۷ء